

روفی

مرتب

ساجد امروہوی

کفیل امروہوی

انوارِ رؤف

جلسۂ نعت خوانی کے جشنِ گوہریں پر منعقد ہونے والی
بزمِ مقالات میں پڑھے گئے مضامین کا مجموعہ

مع

اپنی زباں سے میں

سوانح

حضرت رؤف امروہوی رح

مرتبہ

مرزا ساجد حسین ساجد امروہوی خلف حضرت رؤف امروہوی

ناشر

ڈاکٹر مرزا احمد حسین سیفی امروہوی خلف اکبر حضرت رؤف امروہوی رح

ناشر
ڈاکٹر مرزا احمد حسین سیفی
قیمت ـــــ بیس ۲۰/- روپے

جملہ حقوق محفوظ ہیں

اِنتساب

مَیں اِس مجموعۂ مقالات کو جناب ڈاکٹر نثار احمد فاروقی
صدر شعبۂ عربی دہلی یونیورسٹی کے نام نامی سے منسوب کرتا ہوں
جن کی تحریک پر جشن گوہریں کا انعقاد عمل میں آیا۔

احقر

ساجد حُسین

(مُرتّب)

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صاحب مضمون	صفحہ
۱	پیش گفت	جناب ڈاکٹر نثار احمد فاروقی	۵
۲	عرض مرتب	جناب مرزا ساجد حسین ساجد	۹
۳	عاشق رسول۔ حضرت عبدالرؤف	الحاج حضرت خواجہ حسن ثانی نظامی دہلوی	۱۷
۴	رؤف امروہوی بارگاہِ رسالت میں	جناب ڈاکٹر خلیق انجم	۲۹
۵	حضرت رؤف امروہوی کی نعتیہ شاعری	جناب اختر الواسع	۳۷
۶	نعت گوئی میں حفظِ مراتب مصطفےٰ ﷺ	جناب الحاج حکیم کلب علی شاہد	۴۷
۷	ماسٹر عبدالرؤف صاحب۔ ایک ممتاز نعت گو	جناب تاباں نقوی	۵۵
۸	رؤف امروہوی کی نعتیہ شاعری	جناب ڈاکٹر امام مرتضےٰ نقوی	۶۷
۹	کلام رؤف اور مقام رؤف	جناب ثاقب حسن ایڈوکیٹ	۸۵
۱۰	خانوادۂ رؤف امروہوی	جناب مدثر حسین رضوی	۱۰۷
۱۱	تصانیف رؤف امروہوی	جناب مولوی حکیم حافظ قاری محمد یونس صدیقی	۱۱۵
۱۲	انتخاب مشاعرہ	مختلف شعراء کرام	۱۲۹
۱۳	قطعات	جناب حسن ضیاء صدیقی ایڈوکیٹ	۴۶
۱۴	خراجِ عقیدت	جناب ابرار کرت پوری	۵۴
۱۵	نظم	جناب سید ضمانت علی	۶۶

پیش گفت

ڈاکٹر نثار احمد فاروقی
صدر شعبۂ عربی دہلی یونیورسٹی دہلی

حضرت الحاج حافظ محمد عبد الرؤف صاحب رؤف امروہوی قدس اللہ سرہ العزیز ایک یگانۂ روزگار شخصیت تھے۔ اُنھوں نے تقریباً ۹۲ سال کی عمر پاکر ۱۵، ۱۶ دسمبر ۸۶ء کی درمیانی شب میں انتقال فرمایا۔ اتنی طویل زندگی اُنھوں نے جتنی سادگی، بے ریائی اور اطمینان نفس کے ساتھ گذاری وہ خود عجائبات روزگار میں سے ہے۔ آج کے معیاروں سے وہ خود "اعلیٰ تعلیم یافتہ" انسان نہیں تھے، مگر ساری زندگی علم اور تعلیم کے مشغلہ میں گذاری اور ۳-۴ نسلوں کو زیور علم سے آراستہ کر دیا۔ وہ کوئی بہت خوش حال یعنی مال دار انسان بھی نہیں تھے، معمولی جایداد تھی، لیکن جس فراغت اور قناعت کے ساتھ اُنھوں نے اپنی زندگی گذاری اُسے دیکھ کر رشک آتا تھا۔ مزاج میں نہ کوئی غرور نہ تکبر، نمود و نمایش، ریاکاری اور ظاہر داری کے معنوں سے وہ واقف ہی نہ تھے۔ زندگی میں کسی طرح کا کوئی

تکلف نہ تھا۔ اپنے جو معمولات اُنھوں نے مقرر کر لیے تھے اُن پر ایسے کاربند رہے کہ وہ اُن کی طبیعت ثانیہ بن گئے تھے۔ سونے جاگنے کے اوقات ہوں، یا کھانے پینے کے، عبادت اور تلاوت ہو یا تعلیم اور تعلّم، سب کچھ اپنے وقت پر یکساں وضع داری کے ساتھ ہوتا تھا جیسے گھڑی کی مقررہ رفتار ہو۔ روزانہ بلاناغہ قرآن شریف کا ایک پارہ تلاوت فرماتے تھے اور اس کے بعد اپنے مرحوم بزرگوں، دوستوں اور عزیزوں کو نام بنام ایصال ثواب کرتے تھے جن کے ڈھائی تین سو ناموں کی فہرست ان کے سامنے رہتی تھی۔ اُس فہرست کے نام پڑھنا بھی ایک پارہ تلاوت کر لینے کی برابر وقت چاہتا تھا محلّہ کے ایک بزرگ قطب صاحب سے بیعت تھے۔ اُن کے ایما سے اپنے گھر میں نماز جمعہ کے بعد نعت خوانی کی محفل کا آغاز کیا تو تقریباً ۶۵ برس سے وہ محفل اس پابندی سے منعقد ہو رہی ہے کہ ایک جمعہ بھی کسی حالت میں ناغہ نہیں ہوا۔ ہزاروں نعتیں اس مبارک مجلس میں پڑھی گئیں، سیکڑوں لوگوں کے دل میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شمع روشن کر دی کتنے ہی نئے نئے نعت گو پیدا ہو گئے۔ اور یہ مبارک سلسلہ ان کی سعید اولاد کے ہاتھوں اُن کے بعد بھی جاری ہے اور انشاء اللہ جاری رہے گا۔ انھیں شعر گوئی کا ذوق بھی خداداد ملا تھا، مگر ایام جوانی میں بھی اُسے عشقیہ جذبات اور گل و بلبل کے فرسودہ مضامین تک محدود نہ رکھا، بلکہ اپنے بے پناہ جذبۂ محبّت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار کا وسیلہ بنا لیا، غزلیں کبھی کبھار فرمائشی کہہ لیا کرتے تھے ورنہ اُن کا اصلی ذوق نعت و منقبت ہی کا تھا اور وہیں اُن کے

جوہر کھلتے تھے۔ اُن کی عاشقانہ شاعری بھی کم ارزش نہیں ہے۔ شخصیت کی طرح شاعری بھی سادہ اور بے ریا ہے جس میں تکلف اور آورد کا نام نہیں۔ سیدھے سادے مضامین بیان ہوتے ہیں مگر اس سادگی میں جو تاثیر ہے اس پر ہزاروں تکلفات قربان ہیں۔

حضرت رؤف کی شخصیت اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی۔ عشق رسولؐ میں سرشار ایک شخص کیسی فرصت اور فراغت خوش دلی اور خوش باشی سے زندگی گذار سکتا ہے، اس کا نمونہ ہمیں ان کی زندگی میں نظر آتا تھا۔ نہ کسی سے جنگ نہ کسی سے کینہ نہ کسی کی شکایت۔ ان کا دل بچوں کی طرح معصوم اور سادہ تھا۔ جاں پرسوز تھی، گفتگو میں لبوں پر مسکراہٹ کھیلتی تھی۔ مگر اس تبسم کے پردہ میں بھی اُن کے سوز عشق کا احساس کیا جا سکتا تھا۔ اُنھوں نے تمام عمر درس دیا مگر مزاج طالب علمانہ تھا۔ ہمہ وقت سیکھنے پر آمادہ نہ کسی جاہ کی طلب تھی نہ مال و زر کی ہوس۔ اپنے مجموعہ ہائے کلام بھی خود شائع کئے اور بلا قیمت قدردانوں کی نذر کر دیے۔

جون ۱۹۸۳ء میں نعت خوانی کے تین ہزار ایک سو بیس ویں (۳۱۲۰) جلسہ کے موقع پر میں نے یہ تجویز کیا کہ حضرت رؤف کا جشن گوہریں (ڈائمنڈ جوبلی) منایا جائے۔ خیال یہ تھا کہ اُن کے مداحوں اور عقیدت مندوں کے عطیات سے یہ جلسہ منعقد ہو جائے گا۔ حضرت رؤف نے اس شفقت کی بنا پر جو وہ مجھ پر رکھتے تھے اس تجویز کو تو منظور فرما لیا مگر ان کی غیرت اور درویشانہ طبیعت نے یہ گوارا نہ کیا کہ اُن کے نام پر "چندہ" وصول کیا جائے۔ اس جلسہ کے

تمام مصارف خود ہی ادا کیے اور اُن کے اخلاص کی برکت سے یہ جلسے ہر اعتبار سے بہت شاندار رہے اس موقع پر جن حضرات نے مقالات پڑھے تھے، ان میں سے دو ایک اس مجموعہ میں شامل نہ ہو سکے لیکن جو مضامین یہاں پیش کیے جا رہے ہیں ان سے قارئین کو اندازہ ہو جائے گا کہ یہ جلسہ دنیاداری کا رسمی اظہار نہیں تھا۔ ایک درویش بے ریا اور قلندر باصفا کی زندگی اور اس کے کارناموں کا بے لاگ اعتراف تھا۔ حضرت رؤف کی خواہش تھی تھی کہ یہ مضامین شائع بھی ہو جائیں، افسوس یہ ہے کہ ان کی زندگی میں ایسا نہ ہو سکا لیکن سمجھتا ہوں کہ حضرت رؤف مرے نہیں، وہ زندہ رہیں گے، ان کا وجود سارے شہر کے لیے باعث رحمت و برکت تھا اور اُن کا پُرسوز کلام یہ رحمت و برکت اسی طرح عام کرتا رہے گا۔

یقیناً اللہ تعالیٰ نے اُنھیں عاشقان رسول کے زمرہ میں جگہ دی ہوگی اور یہ کوئی معمولی سعادت نہیں ہے۔ حافظ شیرازی برسوں پہلے کہہ گئے ہیں

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

پروفیسر نثار احمد فاروقی
دہلی یونیورسٹی، دہلی

عرضِ مُرتّب

مرزا ساجد حسین ساجدؔ امروہوی

خلف حضرت الحاج حافظ محمد عبدالرؤف مرحوم

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

قارئین کرام۔

انتہائی رنج و غم کے ساتھ یہ سانحہ سپردِ قلم کرنا پڑ رہا ہے کہ مقبول بارگاہِ رسول گرامی، نازِ حسانؓ و فخرِ جامیؒ الحاج ماسٹر حافظ محمد عبدالرؤف صاحب رؤف امروہوی ۱۵ر۔۱۶ر دسمبر ۱۹۷۸ء کی درمیانی شب میں پونے بارہ بجے اِس دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف کوچ فرما گئے (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝) اہلِ امروہہ بالعموم اور ہم پسماندان بالخصوص اُن کے سایۂ عاطفت سے محروم ہو گئے۔

سایہ تھا جس درخت کا مجھ پر وہ گر گیا
سارے جہاں کی دھوپ مرے گھر میں آ گئی

۱۶ر دسمبر ۸۶ء مطابق ۱۳ر ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ بروز منگل سوا پانچ بجے شام اُن کے جسدِ خاکی کو درگاہ حضرت شاہ ولایتؒ میں مسجد کے جانبِ شمال درگاہ کی دیوار سے متصل سپردِ خاک کر دیا گیا۔

دیوار سے سر ٹکراتا ہے، آنکھوں سے اشک بہاتا ہے
دیکھو یہ رؤفِ حزیں تو نہیں یا شاہِ ولایت شرف الدینؒ

زیرِ نظر کتاب انوارِ رؤف اُن مقالات کا مجموعہ ہے جو ۱۰ر ۱۱ر جون ۱۹۸۳ء مطابق ۲۷ر ۲۸ر شعبان المعظم ۱۴۰۳ھ کو منعقد ہونے والے جلسۂ نعت خوانی کے جشنِ گوہریں کے موقع پر پڑھے گئے تھے۔ اس جلسہ کی صدارت حضرت خواجہ حسن ثانی نظامی مدظلہ العالی نے فرمائی اور نظامت کے فرائض جناب ڈاکٹر نثار احمد فاروقی نے انجام دیئے۔ جلسہ کا آغاز جناب ڈاکٹر نثار احمد فاروقی کی تقریر سے ہوا جسمیں انھوں نے نعت گوئی کی تاریخ اور محترم والد صاحب کی نعت گوئی پر بھرپور روشنی ڈالی۔ اس کے بعد ملک کے ممتاز نقادوں نے اپنے مقالات پڑھے۔ حضرت خواجہ حسن ثانی نظامی دہلوی، جناب ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی، جناب ڈاکٹر خلیق انجم، جناب ڈاکٹر امام مرتضےٰ، جناب اختر الواسع، جناب شجاع الدین، جناب ثاقب حسن ایڈوکیٹ، جناب حکیم کلب علی صاحب شاہدؔ اور جناب مختار حسین تاباںؔ نقوی نے رؤفؔ صاحب کی شخصیت اور شاعری پر پُر مغز مقالات پڑھے۔ اِن مقالات کو چھپوانے کا ارادہ محترم والد صاحب مرحوم نے اُسی وقت فرمالیا تھا مگر کتابت اکتوبر ۸۶ء کے آخر میں شروع ہوئی۔ شروع کے جزو انھیں کے تصحیح شدہ ہیں

مگر افسوس کتاب کے زیور طبع سے آراستہ ہونے سے قبل ہی اُنھوں نے سفرِ آخرت اختیار فرمالیا خدا اُنھیں جنت الفردوس میں مقامات اعلیٰ سے نوازے (آمین)

ان مقالات کے ساتھ ہی قبلہ والد صاحب مرحوم و مغفور کی نثری تخلیق 'اپنی زباں سے مَیں' کو بھی شامل کر دیا گیا ہے کیوں کہ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ختم ہو چکا ہے۔ اس کتاب میں اُنھوں نے اپنی سوانح کے ساتھ ساتھ کراماتی طور سے سفرِ حج پر جانے کا واقعہ بھی قلم بند کیا ہے۔

اُن کے سانحۂ ارتحال پر امروہہ کے مختلف تعلیمی اداروں نے تعزیتی جلسے کیے اور اظہارِ افسوس کیا گیا۔ ۲۶ دسمبر ۸۶ء کو امام المدارس انٹر کالج امروہہ میں جہاں اُنھوں نے تقریباً چالیس سال ملازمت کر کے ۱۹۵۹ء میں سبک دوشی حاصل کی تھی، ایک تعزیتی جلسہ کیا گیا اور تدریسی کام کو معطّل کیا گیا۔ مقررین نے اُن کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ اُن کی تعلیمی اور شعری (خصوصاً نعت) خدمات کو سراہا گیا۔ اخبارات میں کئی دن تک ان کی تعزیت کے سلسلے میں مختلف مقامات پر ہونے والے جلسوں کی کارروائیاں شائع ہوتی رہیں۔

ہندوستان کے مختلف مقامات سے تعزیتی خطوط کا سلسلہ کافی دن تک جاری رہا خصوصی طور سے ہم لوگ حضرت حکیم قریش احمد صاحب مدظلہ العالی نواب زادہ ساجد حسین خاں صاحب، ڈاکٹر نثار احمد صاحب فاروقی، جناب اظہر عنایتی صاحب، جناب رئیس رامپوری، جناب مشکور نقوی صاحب

جناب سید تقی خاں صاحب، جناب محمد ساجد صاحب صدیقی، عم محترم الحاج مرزا علی احمد بیگ صاحب (لاہور) برادر گرامی مرزا اسلام بیگ صاحب (کراچی) الحاج مرزا فرید بیگ صاحب، جناب سید حسین مہدی صاحب ایڈووکیٹ، ڈاکٹر نسیم الظفر صاحب اور بہت سے دوسرے حضرات کے شکر گزار ہیں کہ اُنھوں نے ہمارے غم میں شرکت کی اور تعزیت کے خطوط ارسال کئے والد صاحب قبلہ نے اپنی مثالی زندگی اور اعلیٰ کردار کے جو نقوش چھوڑے ہیں اللہ رب العزت اُن پر ہم سب پسماندگان کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

امروہہ کے مختلف شعرائے کرام نے اُن کے سانحۂ ارتحال پر جو تاریخیں لکھی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

سوئم کے دن مولانا محمد عبادت صاحب کلیم امروہوی نے مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخ مرحمت فرمایا

غم مناؤ کہ ہو گئی پرسوں
نعت گوئے عظیم کی رحلت
قبر پر لکھو بہر سال وفات
حاج عبد الرؤف کی تربت

۱۴۰۷ھ

حضرت مولانا مسعود الحسن صاحب نے مندرجہ ذیل تاریخیں برآمد کیں۔

تواریخ مسعودی	بجذبات احسن مسعود
۱۴۰۷ھ	۱۴۰۷ھ
اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ	سابق بالخیرات
۱۴۰۷ھ	۱۴۰۷ھ

لَھُمْ فِی الْخَیْرَاتِ

۱۴۰۷ھ

کمال زیبِ ریاضِ رؤف	+	روّحَ اللّٰہُ صَدرہٗ
۱۴۰۷ھ	+	۵۷۹
۶ ۱۹ ۸۶		
تربتِ رؤف حسان	+	نوّرَ اللّٰہُ جدارہٗ
۱۴۰۷ھ	+	۵۷۹
۶ ۱۹ ۸۶		

سنگِ مزار کے لیئے جناب شمیم نقوی امروہوی نے مندرجۂ ذیل قطعۂ تاریخ سپردِ قلم کیا۔

مدحت مصطفےٰ کرتے کرتے شمیم
اُن کی محفل میں جا پہنچے عبدالرؤف
دی یہ رضواں نے خلد بریں سے صدا
قصرِ جنت میں آ پہنچے عبدالرؤف

۱۴۰۷ھ

کوثر صدیقی امروہوی نے مندرجہ ذیل تاریخیں برآمد کیں۔

از قلم جدید کوثر صدیقی امروہوی

۱۴۰۷ھ

شاگرد رشید شمع امروہہ جناب احمد حسین سیفی امروہوی

۱۹۸۶ء

آہ انتقال جناب عبدالرؤف صاحب امروہوی

۱۴۰۷ھ

آہ شاعرِ نعت کر گیا رحلت

۱۹۸۶ء

آسمان شاعری سے غم کی بارش کیوں نہ ہو
اب رؤف امروہوی بھی وائے رحلت کر گئے

مصرعۂ بسال اجل کوثر یہ تم اُن کا لکھو
سیفی امروہوی کے والد ہائے رحلت کر گئے

۱۹۸۶ء

حضرت رؤف شاعرِ بے مثل نعت گو
دنیا سے دور ہائے بہت دور ہو گئے

کوثر نے انتقال کی تاریخ یہ لکھی
بابا دؤف گور غریباں میں سو گئے

۱۹۸۶ء

اہل امروہہ کو یہ غم ہے وہ رحلت کر گئے
شعر کہتے تھے جو اچھے ماسٹر عبدالرؤف

کوثر امروہوی نے یہ لکھا سالِ اجل
چل بسے دنیا سے سچے ماسٹر عبدالرؤف

۱۴۰۷ھ

یہ وفاتِ رؤفِ امروہی
لکھو سالِ وفات یہ کوثر

مدتوں تک رلائے گی ہم کو
شاعرِ نعت مر گیا دیکھو

۱۴۰۷ھ

شجاع احمد خاں زیبا کراچی

تھے مدحِ نبی میں محو دن رات رؤف
دنیا سے روانہ ہوئے بیہات رؤف

جنت میں کریں گے پیش آداب کے ساتھ
دربارِ نبی میں ہدیۂ نعت رؤف

۱۳۹۹ = ۱۴۰۰ھ

از درودِ او بہشت آباد شد
دہر چوں در ہجرِ او ناشاد شد

سالِ رحلت گفتم - از قیدِ جہاں
ماسٹر عبدالرؤف آزاد شد

۱۴۰۷ھ

محترم والد صاحب مرحوم کے چہلم کے موقع پر ۱۷ جنوری ۱۹۸۷ء کی شب میں ایک طرحی نعتیہ مشاعرہ اور ۱۸ جنوری کی صبح کو جلسہ سیرت پاک کا اہتمام کیا گیا۔ جسمیں حضرت مولانا سعید اختر صاحب بھوجپوری نے مرحوم کے اوصاف حمیدہ اور نعتیہ شاعری پر بھرپور روشنی ڈالی۔

۱۷ جنوری کی شب میں موسم کے نامساعد ہونے کے باوجود طرحی نعتیہ مشاعرہ نہایت کامیاب رہا۔ طرح کے بطور والد صاحب قبلہ کے ہی مندرجہ ذیل تین مصرعے منتخب کئے گئے تھے۔

اللہ کی ہر چیز ہے قبضے میں تمہارے
ق

اللہ کے محبوب کی اللہ مراد یں ہے
ق

آپ کے لطف سے لاکھوں نے مدینہ دیکھا
ق

تینوں مصرعہ ہائے طرح میں شعراء نے طبع آزمائی کی جس کا انتخاب درج ذیل ہے۔

انتخاب مشاعرہ صفحہ ۱۲۹ پر ملاحظہ فرمائیں

الحاج خواجہ حسن ثانی نظامی دہلوی
بارگاہ سلطان المشائخ خواجہ خواجگان نظام الدین اولیاء
محبوب الٰہی

عاشق رسولؐ حضرت عبدالرؤف

حضرت مولوی عبدالرؤف امروہہ ضلع مرادآباد یوپی کے وہ خوش قسمت بزرگ ہیں جن کے لئے مدینہ منورہ سے بلاوا آیا اور خود حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں طلب فرمایا۔ موصوف کو نعت گوئی سے خاص شغف ہے اور پچھلے ساٹھ پینسٹھ برس سے ان کے ہاں مسلسل ہر جمعہ کی نماز کے بعد نعت خوانی کا جلسہ ہوتا ہے جس میں ایک دفعہ بھی ناغہ نہیں ہوا۔ حضرت عبدالرؤف کو اس جلسے کا حکم ان کے پیر و مرشد نے دیا تھا جو بقول ان کے قطب وقت تھے مگر گمنامی کی زندگی بسر کرتے تھے انہی کی زبان مبارک کی یہ تاثیر تھی کہ اتنی طویل مدت تک نعت خوانی کے جلسے میں کوئی ناغہ نہیں ہوا۔

حضرت عبدالرؤف کو ایک زمانے سے تمنا تھی کہ مدینہ شریف حاضری دیں مگر یہ تمنا پوری نہیں ہوئی تھی اور مایوسی کے عالم میں ایسے اشعار ان کے قلم سے

نکلتے تھے گویا ان کی یہ حسرت ہمیشہ حسرت ہی رہے گی۔ چناں چہ حالات ساز گار ہوئے تو انھوں نے حج کی درخواست دی مگر وہ منظور نہ ہوئی اور قرعے میں ان کا نام نہ نکلا ۱۹۷۰ء میں انھوں نے امروہہ کے ایک عرس کے موقع پر جو نعت پڑھی اس میں یہ اشعار تھے۔

آپ کی بندہ نوازی سے تو کچھ دور نہیں — ہاں بلانا ہی مرا آپ کو منظور نہیں
کونسی ایسی خطا ہے مری فرمایئے تو — بندۂ عشق ہوں سرکش نہیں مغرور نہیں
آپ ہیں مالک کونین شفیع محشر — اور میں جس کو کسی طرح کا مقدور نہیں
آپ سا تو کوئی خالق نے کیا ہی نہیں خلق — آپ تو احمد مختار ہیں مجبور نہیں

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان اشعار کو دربار رسالت میں پسند فرمایا گیا اور اس دور افتادہ عاشق کو آخر کار سرکار نے طلب کر ہی لیا جس کا بڑا عجیب غریب واقعہ ہوا۔

وقار الاسلام نامی ایک جوان صالح انجینئر سعودی عرب میں ملازم ہیں وہ ایک روز مسجد نبوی میں نماز عصر کے بعد مراقب تھے کہ یکایک ایک غیبی آواز سنی

"عبدالرؤف کو یہاں بلالو اور خرچ بھیجو"

وقار الاسلام صاحب نے حیران ہو کر عرض کیا کہ "کون عبدالرؤف؟ میں انھیں نہیں جانتا"۔ دوبارہ آواز آئی۔ "سیفی کے والد"

احمد حسین سیفی حضرت عبدالرؤف کے بڑے صاحبزادے کا نام ہے اور انکو وقار الاسلام صاحب جانتے تھے۔ چناں چہ انھوں نے فوراً یہ مژدہ جاں بخش

ہندوستان بھیجا اور اس کے ساتھ ٹکٹ کا چیک اور خرچ کے لئے ڈرافٹ بھی ملفوف کیا جسے انکے بڑے بھائی شجرالاسلام صاحبؒ حضرت عبدالرؤف تک پہنچایا اور اس طرح عبدالرؤف مہمان رسولؐ ہوئے۔ سبحان اللہ زہے نصیب اس اُمتی کے جس کو آقا اس طرح بلائیں۔ اور زہے نصیب اس نوجوان کے جس کا انتخاب خود سرکار دوعالم نے ٹکٹ اور خرچ بھجوانے کے لئے کیا۔

اس واقعے کی شہرت دور دور ہوئی اور جس وقت حضرت عبدالرؤف مدینے شریف لے گئے ہیں جگہ جگہ ان کا استقبال کیا گیا۔

حضرت عبدالرؤف صاحب کی عمر اس وقت تقریباً نوّے سال کے قریب ہے ان کے جسم کے ایک حصّے پر فالج کا اثر بھی ہو گیا ہے لیکن نعت خوانی کے جلسے کے اہتمام میں انھوں نے ابھی تک فرق نہیں آنے دیا ہے اور وہ بدستور جاری ہے۔ اسی جلسے کا جشن گوہریں حضرت عبدالرؤف صاحب کے شاگرد رشید ڈاکٹر نثار احمد فاروقی صاحب اور ان کے دوسرے عقیدت مندوں کے زیر اہتمام رمضان سے پہلے امروہہ میں ہوا اس جشن کے موقعے پر ایک سیمینار بھی منعقد ہوا تھا جس کی صدارت کا اعزاز خاکسار کو دیا گیا تھا۔ باوجود اس کے کہ وہاں پر دوسرے بزرگ حضرات تشریف فرما تھے۔ اس سیمینار میں بھی حضرت عبدالرؤف علالت کے باوجود شروع سے آخر تک بیٹھے رہے اور لوگوں نے دیکھا کہ عاشق اپنے محبوب کے تذکرے پر کس طرح خوش ہوا کرتے ہیں۔

اس تازہ واقعے نے ایک دفعہ پھر یہ ثبوت فراہم کر دیا ہے کہ ہمارے آقا و مولیٰ فریادیوں کی فریاد سنتے ہیں اور دست گیری فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس طرح منکروں کے لئے ہدایت کا سامان کرتا ہی رہتا ہے۔ بشرطے کہ کسی کی قسمت میں واقعی ہدایت ہو۔

حضرت رؤفؔ امروہوی کی شہرت نعت گو کی حیثیت سے ہے۔ خدا جانے کب سے نعت کہہ رہے ہیں۔ اور کتنی نعتیں کہی ہیں۔ نعتوں کے کئی مجموعے چھپ چکے ہیں۔ اور ان کے ہاں منعقد ہونے والے جلسہ ہائے نعت کی گنتی بھی لوگ مہینوں اور برسوں سے بڑھ کر آدھی صدی اور پون صدی کی اصطلاح میں کرنے لگے ہیں۔ خود ان سے پوچھا جائے تو شاید ازل سے حساب شروع کریں اور کہیں کہ یہ کھاتا تو انشاء اللہ بند ہونے والا نہیں ہے گنے جاؤ جب تک گن سکو۔

حضرت رؤفؔ عاشقِ رسول سمجھے جاتے ہیں اور درست سمجھے جاتے ہیں لیکن جس قبلے کی طرف ان کا رُخ ہے یہ قبلہ نما قبلہ ہے۔ یعنی نام رسالت مآب حضرت احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لیتے ہیں۔ چاہتے کسی اور کو ہیں۔ جگہ جگہ اس کا اعتراف بھی انھوں نے کیا ہے۔

جس کو ان کے روئے زیبا کی زیارت ہوگئی
وہ مشرّف ہوگیا اللہ کے دیدار سے

اللہ کی رضا ہے حضرت کی بندگی میں
اللہ جلوہ گر ہے روئے محمدی میں

تمھیں سے دن ہیں تمھیں سے راتیں تمھاری باتیں خدا کی باتیں
خدا سے ملنے کا راستہ ہے تمھاری زلفوں کا جال کیسا

رؤف صاحب ٹھیٹ وحدت الوجودی ہیں۔ اور اس طرح کے شعر بہت کہتے ہیں

کیسی اداشناس نظر ہے مری جسے
ہر شے پہ یہ گمان کہ جلوہ ہے یار کا

ہر شے کو اپنے نور سے معمور کر دیا
عالم کو تم نے جلوہ گہہ طور کر دیا

اُٹھ کس تو ذرا ہمت کی کمر اے دل نوان کو تلاش تو کر
مسجد میں ملیں یا مندر میں لیکن وہ ملیں گے کہیں نہ کہیں

لیکن خیر و شر میں ایک ہی جلوہ دیکھنے کے باوجود ان کی زبان اور ان کا

قلم بے اختیار نہیں ہوئے۔ جوش و مستی کی کیفیت ان کے ہاں دودھ کا ابال کبھی نہیں بنتی ان کا جذبہ اس چھوٹے سے پہاڑی چشمے کی مانند بہتا ہے جس سے رفتہ رفتہ چٹانیں تک کٹ جاتی ہیں میں ان کے مزاج کے اس ٹھہراؤ اس شائستگی کو خالص اسلامی مزاج اور خالص اسلامی تہذیب کا ایک نمونہ سمجھتا ہوں غالب نے تنگ ظرفیٔ منصور کا ذکر کر کے بڑا تیر مارا تھا لیکن ان کا مزاج اسلامی شائستگی کے سانچے میں حضرت عبدالرؤف کی طرح ڈھلا ہوتا تو وہ بھی اپنی بات انہی کی طرح کہتے کہ

ہم خیال آپ کا میں جان سے دل سے لیکن
ہم زباں آپ کا میں حضرت منصور نہیں

عشق مجازی نے ہماری شاعری کا مزاج کچھ ایسا بنا دیا ہے اور بادہ و ساغر کی روایات اس طرح دل و دماغ میں گھر کر گئی ہیں کہ جب تک ان کا تذکرہ نہ ہو کسی کو مزہ ہی نہیں آتا۔ اس صورت حال نے حمد کہنے والوں کے لیے بڑی مشکل پیدا کر دی ہے ممدوح دیکھنے چومنے اور رکھ دینے کی چیز ہوتا تو عشق مجازی کی روایات عشق حقیقی کے بیان میں بھی اسی طرح کام آجاتیں جیسے غزل کے اکا دکا شعروں میں کام آجاتی ہیں محض دور دور کی بات ہوتی تب بھی تصور جاناں اور ہجر و فراق کے بکھیڑوں میں بہت کچھ شعر کا مسالہ موجود تھا لیکن یہاں تو ستم ظریفی یہ ہے کہ جس کو چاہتے ہیں اس سے روزمرہ کا تعلق اور صبح و شام کا بیوہار ہے روٹی

اس سے مانگو، بیٹا اس سے مانگو ہر وقت کے لین دین کا معاملہ ہے اور ایمان کی بات یہ ہے کہ اس نون تیل لکڑی سے طبیعت اکتا اکتا جاتی ہے۔ ان حالات میں کوئی شخص طویل نظم حمد میں کہنے بیٹھے تو آخر کیا کہے اور شعریت کہاں سے لائے۔ اس لئے معشوق حقیقی کے پرستار بھی حمد کہتے ہیں تو جاندار اشعار کم ہی نکلتے ہیں۔ اور یہ کم اشعار بھی ان کے دوسرے اچھے اشعار سے لگا نہیں کھاتے لیکن عبدالرؤف صاحب کا معاملہ برعکس ہے۔ غزل ہو، نعت ہو، حمد ہو سب میں ان کے ہاں ایک سا ٹھہراؤ اور دھیما پن ہے وہ گھڑی دو گھڑی کے عاشق نہیں ہیں کہ گھن گرج سنائی دے اور ختم ہو جائے وہ سدا اسدا کے چاہنے والے ہیں ایک ہی آواز ایک ہی انداز میں ان کی میٹھی بانی کانوں میں رس گھولتی ہے اور چونکا دینے والی بات نہ ہونے کے باوجود اس کی کیفیت مسلسل برقرار رہتی ہے وہ روز مرہ کے کاروبار اور لین دین کا ذکر بھی ایسے لطف اور مزے سے کرتے ہیں کہ سننے والے کو حلاوت آئے۔

بادشاہا ترے اشاروں پر
کوئی مرتا ہے کوئی جیتا ہے
کوئی مفلس ہے کوئی ہے مُنعم
کوئی بیمار کوئی اچھا ہے
تو مشیت میں اپنی ہے مختار

جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے
تجھ کو اسباب کی نہیں حاجت
تو مسبّب ہر اک سبب کا ہے
تو ولادت سے پہلے بچّے کی
رزق کا انتظام کرتا ہے
ماں کے پستاں میں دودھ پہنچانا
تیری شفقت کا اک نمونہ ہے
میری آنکھوں میں روشنی تیری
میرے دل میں سرور تیرا ہے
صرف کہنے کو ہے مری ہستی
ورنہ سارا وجود تیرا ہے
جسم میں جان، جان میں ایمان
کیا ٹھکانا ترے کرم کا ہے
میرا ہر حال میں شریک ہے تو
میرا تیرا عجیب رشتہ ہے

اس عجیب رشتے سے جو عجیب تر صورت حال پیدا ہوتی ہے اس میں رؤف صاحب دوسرے شعراء کی طرح نہ شکایتوں کے دفتر کھولتے ہیں نہ فلک کی آڑ میں

اپنے محبوب کو جلی کٹی سناتے ہیں ان کی ہر بات ادب کے قاعدے سے ہوتی ہے اور شکوے کی نوبت آتی بھی ہے تو بڑے پیار کے ساتھ

میرے بننے میں بھلا میرا بھی کوئی دخل تھا
آپ نے جیسا بنایا مجھکو ویسا ہو گیا

تم چاہ میں پڑتے تو سمجھتے کہ یہ عاشق
صبر آپ سے کرتے نہیں یا ہو نہیں سکتا

مقدر کے لکھے کو آج تک کس کس نے ٹالا ہے
رہے گا وہ تو ہو کر ہم نشیں جو ہونے والا ہے
مثالِ بے مثالی ہے تمھاری ہر ادا پیارے
تمھارا جو طریقہ ہے زمانے سے نرالا ہے

جو تم نے کہدیا وہ مجھے ماننا پڑا
جو تم نے لکھ دیا مری تقدیر ہو گئی

عبدالرؤف صاحب راضی برضا رہنے والے عاشق ہیں اور سچے عاشق کی

طرح ان کو عتاب میں بھی عتاب محسوس نہیں ہوتا۔

کرم کا آپ کے بندہ نواز کیا کہنا
عتاب پر بھی کیا غور تو عتاب نہیں

مرا غم بھرا فسانہ مری دُکھ بھری کہانی
جو سنو تو مہربانی نہ سنو تو مہربانی

محبوب سے ان کا سارا ربط ضبط محبوب کے محبوبہ کے واسطے سے رہتا ہے اور تمنا کے حسرت بننے کی تاویل ایسے پیارے انداز سے کرتے ہیں کہ محبوب ان کی طرف متوجہ نہ ہوتا ہو تو ہو جائے۔

وہ کریم ہیں وہ قسیم ہیں وہ رؤف ہیں وہ رحیم ہیں
مگر ان کے سامنے اے صبا مرا ذکر تو نے کیا نہیں

رؤف ایک تجھی کو وہ بھول جائینگے
انھیں تو فکر ہے نادان اک زمانے کی

اس خوش گمانی کا اجر رؤف صاحب کو مل کر رہا۔ ان کو اس طرح نوازا گیا کہ کیا کسی کو نوازا گیا ہوگا۔ سب سے بڑی نوازش تو یہی ہے کہ پریم کی جس ڈوری کو انھوں نے پہلے دن تھاما تھا وہ آج تک ان کے ہاتھ میں ہے

یہ ڈور بھی عجیب ڈور ہے نہ اس کچے دھاگے سے کمزور کوئی دھاگا دکھائی دیتا ہے نہ اس ڈوری سے مضبوط کوئی ڈوری ہے مگر اس کی مضبوطی اور کمزوری کا انحصار ڈور سے زیادہ تھامنے والوں پر ہوتا ہے۔ اور گستاخی نہ ہو تو عرض کروں کہ الحمد للہ تھامنے کا حق دونوں طرف سے برابر ہی ادا ہوا ہے۔ ہزار ہزار مبارک باد۔ لاکھ لاکھ مبارک باد۔ ان کا مدینے شریف بلوایا جانا تو محض ایک ظاہری علامت تھی جس کو دیکھنے کی سعادت ہماری ظاہر کی آنکھوں کو بھی حاصل ہوگئی ورنہ سچ پوچھئے تو ڈھکے چھپے خدا معلوم کیا کچھ ہوتا رہا ہے اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ۔

مسلمان قوم کو اگر ایک ٹھٹی پرانی گدڑی کہیئے تو حضرت عبدالرؤف اس گدڑی کا لعل ہیں اور بے بہا لعل۔ ہم آپ اس کی قیمت بھلا کیا آنک سکتے ہیں۔ اس پر تو بڑے بڑے جوہریوں کی نظر تھی کیسے کیسے بزرگوں کی سرپرستی انھیں حاصل رہی ان کے لائق دام کسی کی جیب میں ہوتے تو یہ اُسی پیر کے مرید بن کر رہ جاتے مگر ان کی آخری بولی تو کہیں اور لگنی تھی اور وہ لگ گئی۔ کائنات کے سب سے بڑے جوہری سب سے بڑے گوہر شناس نے اپنے جواہر خانے میں انھیں طلب فرمالیا اور اب وہیں کی زینت ہیں۔ نہ ہے قسمت۔ زہے نصیب کیا رتبہ پایا ہے کہ حضرت عبدالرؤف کی اس تعریف میں نعت کا مفہوم نکلتا ہے۔

بقول غالب

ترے جواہر طرفہ کلہ کو کیا دیکھیں
ہم اوجِ طالع لعل و گہر کو دیکھتے ہیں

حسن ثانی نظامی

۱۰ر جون ۱۹۸۳ء بروز جمعہ

ڈاکٹر خلیق انجم
سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند)

رؤف امروہوی

بارگاہِ رسالت میں

ایک دلچسپ واقعہ سُنیے۔ آل انڈیا ریڈیو، نئی دلی نے کچھ شاعروں کو اپنا کلام سُنانے کی دعوت دی۔ دفتر کی غلطی سے ایک جدید بلکہ جدید تر شاعر کو ایک ایسا دعوت نامہ بھیج دیا گیا، جو دراصل ایک منعت گو شاعر کو بھیجا جانا تھا اور جس میں نعت پڑھنے کی دعوت دی گئی تھی۔ جدید تر شاعر کو یہ دعوت بہت ناگوار گزری لیکن وہ ایک مشکل میں پھنس گئے۔ مشکل یہ تھی کہ اگر وہ نعت کہنے سے انکار کرتے ہیں تو ممکن ہے، انھیں آئندہ ریڈیو سے پروگرام نہ ملے۔ شاعر اسے بھی برداشت کر سکتا ہے، پریشانی کا ایک اور بڑا سبب تھا اور وہ یہ کہ اگر نعت نہ کہیں تو کمالِ فن اور قدرت کلام پر بات آتی ہے۔ چناں چہ مجبور ہو کر انھوں نے دو نعتیں کہیں اور ریڈیو کے

نعتیہ مشاعرے میں پڑھیں بھی۔ یہ واقعہ میں نے اس لئے سُنایا ہے کہ اُردو میں ایسے شاعروں کی تعداد خاصی ہے جنھوں نے مرثیے، نعتیں اور منقبتیں حالات سے مجبور ہو کر یا کسی کی فرمائش پر یا قدرتِ کلام کے مظاہرے کے لئے کہیں پس اِن حالات میں کہی گئی نعتوں اور منقبتوں میں زورِ بیان تو ممکن ہے نظر آئے، لیکن ایسا کلام عشق کی سرشاری اور خلوص کے جذبے سے محروم ہوتا ہے۔ رؤف امروہوی صاحب کے کلام میں عشقِ رسول کا جذبہ کارفرما ہے ان کی نعت گوئی فنی صلاحیتوں کا اظہار نہیں بلکہ سچے جذبے اور ذہنی اور قلبی وارداتوں کا بیان ہے۔ رؤف صاحب سے میرا غائبانہ تعارف آٹھ دس سال پہلے ہی ہوا تھا اور وہ اس طرح کہ دہلی کی ایک محفل میں قوالی ہو رہی تھی۔ قوال خوش گلو تھے اور میر، غالب اور فیض کا کلام سُنا رہے تھے۔ کسی سامع نے اچانک نعت کی فرمائش کر دی۔ قوالوں نے ایک نعت شروع کی، جس کا مطلع تھا:

غریبوں کے ملجا، یتیموں کے ماوا، دو عالم کے آقا، لقب ہیں تمھارے

ہزاروں کی بگڑی بنائی ہے تم نے، ہماری بھی کشتی لگا دو کنارے۔

اس نعت کا ایک اور شعر سُنیے:

حوادث کا طوفان آیا ہوا ہے، ضلالت کا اندھیر چھایا ہوا ہے

بلاؤں نے گھیرا ہے چاروں طرف سے، نہیں کوئی حامی سوائے تمھارے

اس نعت نے سماں باندھ دیا۔ محفل پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی۔ مقطع سے معلوم ہوا کہ رؤف امروہوی اس کے مصنف ہیں۔ نعت سُن کر میرے ذہن پر پہلا تاثر یہ قائم ہوا کہ اس کا مصنف عشقِ رسول میں ڈوبا ہوا ہے۔ یہ شیفتگی، وارفتگی اور والہانہ پن جنون کی حد تک بڑھے ہوئے عشق ہی سے پیدا ہو سکتا ہے۔ اس نعت میں کیسے صاف اور سادہ انداز میں، جذبات کی عکاسی کی گئی ہے۔ ہر شعر میں جذبے اور خلوص کی لہر دوڑتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ اسی لیے پوری نعت میں ایک مترنم چشمے کی روانی کی سی کیفیت ہے۔

دوستوں سے معلوم ہوا کہ رؤف امروہوی صاحب پیشہ ور شاعر نہیں۔ اُن کی شاعری کی بنیاد کرۂ ارض پر پیدا ہونے والے عظیم ترین انسان یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور عقیدت ہے۔ خوش نصیب ہیں رؤف صاحب کہ خدا نے انھیں عشقِ رسولؐ کی بیش بہا دولت سے سرفراز کیا۔ ۱۹۲۵ء میں رؤف صاحب کے گھر پر نعت خوانی کا پہلا جلسہ منعقد ہوا تھا۔ اس واقعے کو ساٹھ سال ہونے کو آئے ہر جمعہ کو اُن کے دولت کدے پر ذکرِ رسولؐ کا یہ مبارک جلسہ اتنی پابندی سے منعقد ہوتا ہے کہ آج تک کوئی جمعہ ناغہ نہیں ہوا اور میں پوری ذمہ داری سے کہہ سکتا ہوں کہ اُردو کی دُنیا میں اس کی کوئی دوسری مثال نہیں ہے رؤف صاحب کی خانگی زندگی میں بڑے بڑے واقعات اور حادثات رونما ہوئے، لیکن انھوں نے نعت خوانی کے

اِن جاسوں کی پابندی کو برقرار رکھا۔ اکثر نعت گو شعراء نے آں حضرتؐ کے جسمانی حُسن، سیرت و شخصیت اور اُن کی زندگی کے اہم واقعات اور مُعجزات تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ رؤفؔ صاحب نے بھی ان چیزوں کا بیان کیا ہے، لیکن بہت کم۔ وہ تو عشق کی اُس منزل میں ہیں جہاں عاشق جذبۂ عشق میں اس طرح ڈوب جاتا ہے کہ اس کا محبوب سے ایسا ذہنی اور قلبی رشتہ قائم ہو جاتا ہے کہ پھر مادی حسن بے معنی ہو جاتا ہے۔

رؤفؔ صاحب نے والہانہ محبت سے پیدا ہونے والی سادہ اور معصوم خواہش کو کیسے دل کش پیرائے میں بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں:

آنکھوں کو آج ہجر کے غم سے چھڑاؤں گا
صحرائے دِل میں شہرِ مدینہ بساؤں گا
خلوت کدہ بناؤں گا اک وسطِ شہر میں
گلہائے آرزو سے پھر اُس کو سجاؤں گا
پلکوں سے اپنی جھاڑ کے فرشِ حریمِ ناز
اک سمت تختِ ختمِ رسالت بچھاؤں گا
اس تختِ ناز میں پہ بہ صد جاہ و احتشام
عالم کے تاجدار کو لا کر بٹھاؤں گا
پھر رکھ کے پائے ناز پہ اُن کے سرِ نیاز

سوتے ہوئے نصیب کو اپنے جگاؤں گا
اک نذر پیش کر کے درود و سلام کی
سرکارِ دو جہاں کو مخاطب بناؤں گا
یوں دست بستہ عرض کروں گا کہ یا حضور
کب تک غمِ فراق کے صدمے اُٹھاؤں گا
تم ایک بار آ کے اگر مجھ کو دیکھ لو
واللہ ساری عمر کے غم بھول جاؤں گا
تم تو حریمِ دل سے اُدھر اُٹھ کے جاؤ گے
اور میں نہ جانے ہوش میں کب تک نہ آؤں گا

رؤف صاحب کے کلام میں سادگی اور سلاست کے ساتھ جو حلاوت اور سوز ہے، وہ سُننے والے کے دل کو چھوتا ہے اور ہمارے دلوں پر آں حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے نقوش اور گہرے ہو جاتے ہیں:

رؤف صاحب کے اشعار کی اثر آفرینی ہمارے دل و دماغ کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔ ایک نعت کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

تم انیسِ بے کس و بے نوا، میں اسیرِ دامِ بلا نبیؐ
ذرا سُن لو، میری بھی التجا، ہوں تمہارے در کا گدا نبیؐ
مرے سر پہ بارِ گناہ ہے، میں ضعیف، دُور کی راہ ہے

ذرا دستِ لطف بڑھائیے ، میں گرا نبیؐ ، میں گرا نبیؐ
مرے پاس کوئی عمل نہیں ، کسی معصیت کا بدل نہیں
فقط اپنے لطف سے کیجئے ، مرے دردِ دل کی دوا نبیؐ

ذرا یہ اشعار ملاحظہ ہوں :

میں عاصی ہوں ، مگر دردِ معاصی کی دوا تم ہو
میں سرتاپا خطا ہوں ، شافعِ روزِ جزا تم ہو
سہارا امتِ ناشاد کا تم بن نہیں کوئی
یہ وہ ٹوٹی ہوئی کشتی ہے ، جس کے ناخدا تم ہو
نبوت ختم ہے تم پر رسالت ختم ہے تم پر
غرض جو حسن بھی ممکن ہے اس کی انتہا تم ہو

رؤف صاحب کو مدینے کی زیارت کی بہت تمنا تھی۔ یہ تمنا ایک معجزے کے ذریعے پوری ہوئی ، جس کا تفصیلی ذکر رؤف صاحب نے اپنی سرگذشت "اپنی زباں سے میں" میں کیا ہے۔ رؤف صاحب کی زندگی کی سب سے بڑی تمنا دیارِ محبوب کی زیارت تھی۔ ان کے بیشتر اشعار میں اس جذبہ کا اظہار ہوا ہے۔ کچھ اشعار ملاحظہ ہوں :

کبھی حاضر مجھے بھی یہ شرف ہو
کبھی میں بھی ہوں مہمانِ مدینہ

پائے بوسی کی کیوں ہوس نہ کرے
کیا رؤف آپ کا غلام نہیں

اس موضوع پر ایک نعت کے چار شعر اور سُنیے :

آپ کی بندہ نوازی سے تو کچھ دور نہیں
ہاں بُلانا ہی مرا آپ کو منظور نہیں
کون سی ایسی خطا ہے، مری فرمائیے تو
بندۂ عشق ہوں، سرکش نہیں، مغرور نہیں
آپ ہیں مالکِ کونین، شفیعِ محشر
اور میں جس کو کسی طرح کا مقدور نہیں
آپ سا تو کوئی خالق نے کیا ہی نہیں خلق
آپ تو احمدِ مختار ہیں، مجبور نہیں

رؤف صاحب نے آں حضرتؐ سے اپنے ذہنی اور قلبی رشتے کو انتہائی سادہ اور خوب صورت انداز میں اس طرح پیش کیا ہے :

مرنے سے پہلے طاعت سرکارِ مصطفےٰ
مرنے کے بعد سایۂ دیوارِ مصطفےٰ

رؤف صاحب حُبِّ رسول میں سرشار ہیں۔ اُن کے محبوب نے خلوص اور قلبی لگاؤ کی قیمت اس طرح چکائی کہ رؤف صاحب میں قناعت اور خودداری

اور بلند حوصلگی پیدا کردی اور میرے خیال سے یہ دنیا کی سب سے بڑی نعمتیں ہیں۔

جو لوگ رؤف صاحب کو قریب سے جانتے ہیں وہ یقیناً میرے اس بیان کی تائید کریں گے کہ رؤف صاحب نے جب سے عشقِ رسولؐ کی دولت پائی ہے، اُن میں قناعت، گوشہ گیری، ایمان داری، انسانی ہمدردی، خوفِ خدا اور مادی آسائشوں سے بے نیازی پیدا ہو گئی ہے۔ اگر رؤف صاحب کے محبوب یعنی رسولِ اکرمؐ اپنی اس محبت کا اس دنیا میں اتنا بڑا صلہ دے سکتے ہیں تو یقیناً اس چاہنے والے کی مغفرت کی شفاعت بھی کریں گے۔ انشاء اللہ۔

اختر الواسع صاحب
شعبۂ اسلامک عربی و ایرانین استنبول جامعہ اسلامیہ نئی دہلی

حضرت رؤف امروہوی کی نعتیہ شاعری

ایک اجمالی مطالعہ

خدا اور اس کے بندوں میں صرف ایک قدر مشترک ہے اور وہ ہے سید المرسلین رحمۃ اللعالمین حضرت احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و توصیف کا بیان کرنا اور نذرانہ درود کا بھیجنا۔ یہ خدا خود تھا جس نے آپ کی خاطر "وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ" کہہ کر آپ کا آوازہ بلند کیا۔ اور اس سراج منیر یعنی روشن چراغ سے عقیدت و محبت کی وہ شمعیں روشن کیں جس نے دنیا کے ادب عالیہ کو نعت کی گرامی قدر اور اطہر و مبارک صنف سے مالا مال کیا۔

نبی کریم صلعم کی ذات اقدس سے نسبت ایک مومن کی معراج اور اس کے دین کی کاملیت کا ثبوت ہے کیوں کہ اس دامن سے وابستہ ہوئے بغیر رسم بولہبی ہاتھ آتی ہے۔ دین حق نہیں اسی بزرگ و برتر ذات اور انسان کامل کی اتباع کا حکم خود خدا نے دیا ہے اور اس کو بندوں کے لئے اپنی پسندیدگی کی شرط

قرار دیا اور نوید سنائی کہ اللہ کے ساتھ اس کے رسولؐ کی اطاعت کرنے والے نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوں گے۔ اسی لئے اہل ایمان کے لئے یہ نام مبارک ہمیشہ سے عقیدت و محبت کا سرچشمہ رہا ہے اور وادی بطحا کی نسیم سحرگاہی کا ہر جھونکا انسانیت کے تھکے ہوئے قافلہ سالاروں کے لئے تازہ دمی کا سامان لے کر آتا ہے۔ بقول شاعر

نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے
خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے

عربی زبان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح بصورت شعر آپ کی حیاتِ طیبہ میں ہی شروع ہو چکی تھی۔ حضرت ابو طالبؓ، حضرت حسان بن ثابت رضؓ، حضرت کعبؓ بن مالکؓ سے ابن الفارض، ابن خلدون، علامہ ابن حجر تک ہوتا ہوا حدی خوانِ کاروان رسالت مآب کا یہ قافلہ شاہ ولی اللہ دہلوی رحؒ، شیخ احمد تھانیسری اور علامہ آزاد بلگرامی تک پہنچا اور ہنوز جاری ہے۔ نور اسلام کی شعاعیں جب ریگ زار عرب سے نکل کر چمن زار عجم میں پہنچیں تو عجم کی روایتی سرمستی نے حقیقت کا روپ دھارا اور محبت و عقیدت اور احسان مندی کے جذبات کا اظہار جب الفاظ کی صورت میں ہوا تو اس کا بھی سب سے مؤثر ذریعہ شعر ہی بنا۔ پھر دیارِ نبیؐ سے دوری نے عجم زادوں کی آتش فراق کو کچھ اور ہی بھڑکا دیا تصوف کے چشمۂ ساقی سے جب لوگوں نے اپنی پیاس بجھائی تو اصحاب دل نے

اس صاحبِ "الفقر فخری" کے در پر پلکوں سے جاروب کشی کی تمنا کو حرزِ جاں بنایا۔ گنبدِ خضرا کے مکینؐ کے در سے دورِ زندگی کے تصور کو ہیچ سمجھا یادِ حبیبؐ کے علاوہ ہر یاد عشقِ خام قرار پائی اور مدینہ کی شمع فروزاں پر پروانہ وار نچھاور ہونے کو سعادت اور حاصلِ حیات جانا۔ حافظ و سعدی، عطار اور رومی جامی و خسرو، عرفی و قدسی، غالب و اقبال کے کلام سے اس کے بیّن ثبوت مل سکتے ہیں۔

فارسی سے یہ روایت اردو میں آئی۔ برصغیر کے مسلمانوں کا مکّے اور مدینے سے عشق کس سے چھپا ہے یہاں ہر شخص کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ اس کا آخری وقت دیارِ نبیؐ ہی میں آئے۔ نبی کریمؐ کی حیاتِ طیبہ اور تعلیمات کا کون سا گوشہ ایسا ہے جس کو اردو شعرا نے نظم کے قالب میں ڈھال کر عوام و خواص تک نہ پہنچایا ہو۔ امیر مینائی، حالی، اقبال، ظفر علی خاں، اقبال سہیل، امجد حیدر آبادی، حفیظ جالندھری، ماہر القادری، زائر حرم حمید صدیقی اور حضرت رؤف امروہوی کے مجموعہ ہائے کلام سے اس کی سند مل سکتی ہے۔

حضرت رؤف امروہوی کو ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے ذکرِ پاک سے جو والہانہ عقیدت اور نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے انھیں جو شغف رہا ہے اس کا ثبوت ساٹھ سال سے منعقد ہونے والی وہ بزم ہائے نعت ہیں جن کے طفیل میں آج ہم سب یہاں جمع ہیں۔ اس حقیقت

ہے ہم میں سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ خود رؤف صاحب کے بقول :

جس جگہ ہو نبیؐ کا ذکر جمیل
اس سے بڑھ کر کوئی مقام نہیں

اور آج خوبیٔ قسمت کہ محترم معظم ڈاکٹر نثار احمد فاروقی کے توسط سے میرا جیسا حقیر و خاطی اور گرفتار عصیاں بھی اسی "ذکر جمیل" کے صدقہ میں اس "مقام" تک پہنچ گیا۔

رؤف صاحب عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سرشار ہیں اور اس کو چشم سرشاری میں تھام انھوں نے انجمانے میں نہیں بلکہ ہوش و خرد کی تمام دانائیوں کے بیچ رکھا، اس لئے کہ وہ جانتے ہیں "با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار" وہ فرق مراتب کو بھی خوب سمجھتے ہیں اسی لئے انھوں نے کہا بھی ہے ؎

رؤف فرق مراتب نگاہ میں رکھنا
کسی کے بعد کسی کا مقام آتا ہے

وہ رسم و رہ عاشقی سے بھی آشنا ہیں اور جانتے ہیں :-

عاشقانِ شہ والا کی نشانی یہ ہے
انھیں منظور نہیں جو انھیں منظور نہیں

وہ غار حرا کے مطلع پر ہویدا ہونے والے آفتاب بالائے بام کے مشتاقانِ دید کو اگر ایک سمت یہ خوش خبری سناتے ہیں کہ ؎

یہ آفتاب جو بالائے بام آتا ہے
لئے ہوئے مئے عرفاں کا جام آتا ہے

تو ساتھ ہی مئے عرفاں سے سرشاری کی تمنا کرنے والوں کو اس حقیقت سے بھی آشنا کراتے ہیں کہ

قدم جو رکھتا ہے سالک رہ محبت میں
تو سب سے پہلے فنا کا مقام آتا ہے

اس لئے کہ وہ بخوبی سمجھتے اور جانتے ہیں کہ اس رہ محبت میں چون وچرا۔ کیوں اور کیا کی گنجائش نہیں یہاں عقل محو تماشائے لب بام ہی رہتی ہے کیوں کہ ؎

کتاب عشق میں فہم وخرد کے باب نہیں
سمجھ سکیں جسے عاقل یہ وہ کتاب نہیں

رؤف صاحب کے بقول یہاں کی جاروب کشی سعادت، یہاں کی گدائی پر شہنشائیاں قربان، یہاں کی موافقت حاصل کون ومکاں اور یہاں کی مخالفت دربدر ذلت اور ٹھوکریں کشاں کشاں

کیا تمہارے آستانے کی گدائی مل گئی
اب نظر میں بادشاہوں کو کہاں لاتا ہوں میں
تم موافق ہو تو دنیا گوش برآواز ہے
تم مخالف ہو تو در در ٹھوکریں کھاتا ہوں میں

اس بارگاہ ناز میں عجز و نیاز ہی کامیابی کی کنجی ہے۔ اس لئے ہر وقت حد ادب ملحوظ رہے، جب عرضی شہ ہر دوسرا کے حضور پیش کرے تو اس طرح کہ سالک رہ محبت کو ہیچ مدانی کا احساس رہے۔ رؤف صاحب کا انداز دیکھئے ؎

تیرے در کی خاک ہو جانا تو میرا فرض ہے
یہ تری مرضی جو تو کر دے کسی قابل مجھے

کیجئے للہ بیمارِ محبت کی دوا
آپ کی فرقت میں جینا ہو گیا مشکل مجھے

اس بارگاہِ جود و عطا میں رؤف صاحب اپنی آرزوؤں اور تمناؤں کا دامن اس طرح پھیلاتے ہیں ؎

سب کی بگڑی کو سنوارا آپ نے
میری بھی بگڑی بناتے جایئے

یا

رؤفِ بے نوا کب سے کھڑا ہے ہاتھ پھیلائے
اسے بھی بھیک مل جاتی تمھارے در کا منگتا ہے

یا

کیوں نہ رکھے گا سر ترے در پر
اپنی تقدیر آزمانی ہے

اس شہر لولاک ؐ کے حضور حاضری کی تمنا ہر مسلمان کے دل کی دھڑکن اور نفس کی گرمی میں ہمہ وقت شامل رہتی ہے لیکن رؤف صاحب نے شرف باریابی کی سعادت کے حصول کی اس آرزومندی کو بھی کس خاکساری مگر خوبصورتی سے آقائے نامدار کی خدمت میں پیش کیا ہے۔

یہ سوچ کر ہی مدینے مجھے بُلا لیتے
کہ خار کی بھی ضرورت ہے گلستاں کیلئے

حضرت رؤف امروہوی اپنے لہجے کی اس انکساری اور جذبے کی خاکساری کے باوجود رحمتِ عالم ؐ کی بارگاہ سے نہ تو مایوس ہیں اور نہ انھیں کسی تاخیر کا شکوہ بلکہ ایک عاشق صادق کی طرح رجائی عزم اور مستحکم یقین کی قندیلوں سے ان کا ظاہر و باطن پوری طرح منور ہے۔ وہ کہتے ہیں ؎

میرا تو یہ ایمان ہے کہ سرکار میں اس کی
ہے دیر تو ممکن مگر اندھیر نہیں ہے

رؤف صاحب کا ذاتِ رسالت مآب ؐ سے یہ عشق صرف اپنی ذات تک ہی محدود نہیں بلکہ وہ اس کی تپش ہر قلب مومن میں پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اس حقیقت کا ادراک رکھتے ہیں کہ آج مسلمانانِ عالم کی ذلت و خواری کی وجہ اسی در سے ان کی بیگانہ روی ہے۔ وہ اسی صداقت کی طرف ہماری توجہ یوں مبذول کراتے ہیں ؎

جن کے نبیؐ ہوں منبع جود و سخا جہان میں
ہائے وہ در بدر پھریں کرتے ہوئے گداگری

شاید اسی لئے انھوں نے نعت میں صرف مدح رسولؐ کو ہی موضوع نہیں بنایا بلکہ آپ کے پیغام اور اس کی معنویت کو بھی نظم کر کے ہمارے سامنے پیش کیا انھوں نے موعظت و نصیحت کے چند جواہر پاروں کو احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذخیرہ بیش بہا سے منتخب کر کے یوں حرف بہ حرف ہمارے سامنے پیش کیا ہے ؎

کرو توبہ، ڈرو حق سے، یہ سمجھو کل قیامت ہے
جہاں اعضاء گواہی دیں گے وہ ایسی عدالت ہے

نماز اور روزہ، وحج، نیکیاں ہیں یہ حقیقت ہے
مگر ایسی ہی اک اللہ کے بندوں کی خدمت ہے

ورع ہے، زہد و تقویٰ ہے، ریاضت ہے عبادت ہے
ہیں سب بہتر مگر ان سب سے بہتر استقامت ہے

یہ دو باتیں بھی انساں کے لئے بے حد ضروری ہیں
بزرگوں کا ادب ہے اور خوردوں کو نصیحت ہے

زن و فرزند و مال و جاہ سب انعام ہیں حق کے
مگر جان برادر، جان اِن سب کی قناعت ہے

زنا کینہ، حسد، بغض و عداوت جھوٹ عیاری

مگر ان سب سے بدتر جو برائی ہے وہ غیبت ہے
برے کی ہو برائی اس کی غیبت میں وہ ہے غیبت
اگر فرضی برائی ہو تو وہ بہتان و تہمت ہے

خیالات میں یہ روانی و تسلسل اور زبان و بیان کی سلاست اسی سالک راہ محبت کا خاصہ ہیں جس نے عشقِ رسولؐ میں فنا کی منزل کو اپنے قریب تر کر لیا ہے۔ یہ وہ سلاست و روانی ہے جس کے آگے بھاری بھرکم الفاظ، پُرشکوہ ترکیبیں، نئی نئی تشبیہات، مبالغہ اور طمطراق سب پانی بھرنے لگتے ہیں۔

آخر میں مجھے ریاض مدینہ کے اس بلبل زمزمہ سنج کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کرنا ہے۔ لیکن عمر، مرتبہ و مقام میں اپنی کم مائیگی پر نظر ڈالتے ہوئے سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح اس خوشگوار اور اہم فریضے کو ادا کروں؟ اپنی کوتاہی اور کمتری پر نظر کرتے ہوئے میں حضرت رؤف امروہوی کی خدمت میں انھیں کا ایک شعر نذر گزار رہا ہوں جو اُن کے لئے بھی موزوں ہے اور آج کی اس مجلس کے اعتبار سے بھی مناسب ہے

نعتِ نبیؐ کی برکتیں آپ ملاحظہ کریں
دنگ ہیں لوگ دیکھ کر اُن کی رؤف پروری

اختر الواسع شعبۂ اسلامک عرب و ایرانین اسٹڈیز
جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

Scanned by CamScanner

قطعات

نتیجۂ فکر۔ جناب حسن ضیاء صدیقی ایڈووکیٹ

---

①

حافظ بھی ہیں صوفی بھی ذی علم بھی حاجی بھی
اور نعت کے میداں کے سعدی بھی ہیں جامی بھی
سرکار کے یاروں کی تعریف بھی کرتے ہیں
سرکارِ دو عالم کے عاشق بھی ہیں حامی بھی

---

②

مرحبا صد مرحبا یہ محفلِ سلطانِ دین
ہے یہ محفل ہی سکونِ دل کی ضامن بالیقیں
اللہ اللہ اس کو ہوتے ہو گئے ہیں ساٹھ سال
ہو مبارک آپ کو پُر کیف جشنِ گوہریں

الحاج حکیم کلب علی صاحب شاہد
صدر انجمن ترقی اردو ہند شاخ امروہہ

نعت گوئی میں

حفظِ مراتب مصطفیٰؐ

ہر دور کے نعت گو شعراء اور عشاق مصطفیٰؐ نے اپنی محبت اور اپنی عقیدت کے اظہار میں حفظِ مراتبِ مصطفیٰؐ کو پیشِ نظر رکھا ہے وہ حضرت کعب ہوں یا بصیری جن کے قصائد سے نعت گوئی کی داغ بیل پڑی سب ہی شعراء

گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی

کے قائل رہے ہیں تنہا اسی اصول پر ہی مداح مصطفیٰؐ کاربند نہیں بلکہ اس سے اور آگے بڑھ کر احترامِ مصطفیٰ کی یہ منزل متعین کی گئی کہ

با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار باش

عشق رسول کی آخری منزل تک اقبال تو یہ کہہ کر پہنچے

غلام ہمت آں رند پاکم — خدا را گفت مارا مصطفیٰ بس

ہر زبان کے نعت گو شعراء نے اس منزل میں پھونک پھونک کر قدم رکھا ہے اور انتہائی حزم و احتیاط سے ہر شاعر نے مقام مصطفےٰ کا ہمیشہ لحاظ و پاس کیا ہے عزت بخاری کہتے ہیں

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

کتنے ایسے شعراء ہیں جو اس احتیاط و ادب کی وجہ سے نعت گوئی کی جرأت ہی نہ کر سکے کہ ہم سے بارگاہِ نبوت میں کہیں کوئی لغزش نہ ہو جائے عاشقانِ رسولؐ کا ایک طبقہ تو حضور کے لئے تو یا تیرا سے مخاطبہ کرنے کو بھی سوءِ ادب قرار دیتا ہے۔

عرفی شیرازی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ نعت کہنا تلوار کی دھار پر چلنا ہے ذرا سی لغزش ہوئی اور اس راہ میں پاؤں کٹ گئے ؎

عرفی مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحرا
ہشیار کہ رہ بر سر تیغ است قدم را

اقبال نے حضورِ حق میں یہ استدعا کی ہے ؎

مکن رسوا حضور خواجہ ما را
حساب ما ز چشم او نہاں گیر

سیماب نے اقبال کے اسی شعر سے استفادہ کرتے ہوئے کہا ہے ؎

تو اپنے فردِ عمل کو سیہ نہ کر سیماب
اِسے جنابِ رسالت مآب دیکھیں گے

ایک سرشارِ عشقِ محمدؐ تو یہاں تک کہہ گیا ؎

ہزار بیشہ یم دہن زمشک و گلاب
ہنوز نامِ تو گفتن کمال بے ادبی ست

خدا کے حضور میں تو شکوہ کسی نہ کسی نہج سے کیا جاتا رہا ہے لیکن حضورِ مصطفےٰؐ میں کوئی شاعر کبھی شکوہ بہ لب ہونے کی ہمت نہیں کر سکا۔ حافظ شیرازیؒ خدا کے حضور میں یوں شکایت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں ؎

گناہ گرچہ نبود اختیار ما حافظ
تو در طریقِ ادب کوش و گو گناہِ منست

مبرؔ نے اپنا استغاثہ ان الفاظ میں دائر کیا ہے ؎

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی

اور غالبؔ نے تو انتہا کر دی یہ کہہ کر ؎

ہم بھی کیا یاد رکھیں گے کہ خدا رکھتے تھے

فانیؔ بدایونی دبی دبی زبان میں یوں شکوہ سنج ہیں ؎

رحمت سے تری ہرگز مایوس نہیں فانی
لیکن تری رحمت کی تاخیر کو کیا کہیے

اقبال نے تو طویل مسدس بعنوان شکوہ لکھ کر دل کھول کر شکایت کی ہے۔۔۔

مسلم شعراء کے علاوہ غیر مسلم مداح محمدؐ نے احترام مصطفےٰؐ کا بدرجۂ اتم لحاظ و پاس کیا ہے عاشقانِ مصطفےٰؐ کی جماعت میں ایک طبقہ ایسا بھی گذرا ہے جو اپنی عمر کو آں حضرتؐ کی عمر مبارک سے متجاوز ہونے کو سوء ادب گردانتا ہے چناں چہ اقبال نے اپنی اس تشویش کا اظہار کہ میری عمر حضورؐ کی عمر شریف سے متجاوز نہ ہو جائے اپنے اس خط میں کیا ہے جو مولانا سید سلیمان ندوی کو لکھا ہے اقبال کی یہ تمنا خدا نے پوری کی اور اقبال کی عمر حضورؐ کی عمر سے متجاوز نہ ہو سکی۔

ہمارے عہد میں حضرت رؤف کی شخصیت مغتنمات سے ہے۔ رؤف امروہوی کے نعتیہ اشعار کا لہجہ نیاز مندانہ ہے اور اس لہجہ کی لے سوز عاشقی و دردمندی کے باوجود اتنی نرم و نازک ہے جیسے دل کی دھڑکنیں۔ ان کے اشعار میں تڑپ بھی ہے تمنا بھی ہے درد مہجوری و فراق بھی ہے لیکن دھیمے پن کے ساتھ اور یہ دھیمانہ پن رؤف کے یہاں احترام مصطفےٰؐ کے شدید ترین احساس نے پیدا کیا ہے۔ رؤف ہجرِ نبیؐ میں تڑپتے بھی ہیں، مچلتے بھی ہیں، فریاد بھی کرتے ہیں لیکن ان کے عرض کرنے کا رنگ وہ نزاکت خاص رکھتا جو نزاکت خاص بولتی ہوئی آنکھوں میں ہوتی ہے جن میں نہ آواز ہوتی ہے نہ الفاظ ہوتے

تارِ نظر کے غیر مرئی سلسلے کی طرح رؤف کی صدائے دل لوگوں کے دلوں میں گونجنے لگتی ہے۔ رؤف نے اپنی عاشقانہ فریاد و گذارشات کو اپنے عارضِ حال دل کو تظلم کی معصیت سے قطعاً دور رکھا ہے۔ ان کے مسلک میں شکوۂ بنی کفر ہے۔ دوریٔ مصطفیٰؐ اور دردِ فراق سے رؤف جب بہت گھبرا جاتے ہیں تو خود کو الطافِ اکرامِ مصطفیٰؐ کا مژدۂ جاں فزا دے کر دل کو تسلی دینا شروع کر دیتے ہیں۔

رؤف کے یہاں گرمیٔ جذبات، فراوانیٔ اشتیاق کے باوجود حریفانہ رویہ اول سے آخر تک کہیں نظر نہیں آتا نیاز مندانہ معروضات میں بھی انتہائی شیفتگی و شائستگی پائی جاتی ہے۔ رؤف کی شاعری میں فکر حکیمانہ کی تلاش عبث ہے ان کے نعتیہ اشعار میں آپ کو سرمستیٔ عارفانہ بغیر کسی تجسس و تامل کے ملتی چلی جائے گی۔ رؤف دانش برہانی کے قائل نہیں ہیں جس کے نتیجہ میں حیرت کی فراوانی پیدا ہوتی ہے یہ تو دانش نورانی کے حامل ہیں جس کے ثمرات طمانیت قلب، حق الیقین اور روح کی آسودگی ہے یہ منزل عرفان کی منزل ہے اور اس منزل میں حکماء کی منطقی صغریٰ کبریٰ کا طرزِ استدلال بے خبری و حیرت کی طرف لے جاتا ہے۔ بقول رومیؒ ؎

پائے استدلالیاں چوبیں بود
پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

رؤف کی شاعری آہ سحر گاہی کا لہجہ ہے۔ باد صبحگاہی کا رنگ و نم ہے جس سے دل کی کلیاں کھلتی چلی جاتی ہیں اور محبت کی خوشبو سے سینے معطر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ کاوشِ فکر اور آورد کے ملمع سے یہ زر سارا پاک ہے رؤف نے وارداتِ قلبی کی صحیح عکاسی کو اور زبان و بیان میں سادہ و صاف روزمرہ کو اپنا وطیرہ بنایا ہے۔ صنائع بدائع کی صنعت گری اور نئی شکوہ و شوکت کی ظاہری رنگ آمیزی سے رؤف نے اپنی نعت کو ہمیشہ محفوظ رکھا ہے۔ ان کے اشعار میں تاثیر تیکھا پن اور مٹھاس انتہائی خلوص نیاز سے پیدا کی ہے نہ کہ کاوش فکر و فن کی کوشش بے سود نے۔ رؤف کو سوز مصطفےٰؐ نے شاعر بنایا ہے اس لئے ان کی شاعری کی غایت درد و سوز محبت کا ذائقہ ہے۔ الفاظ و اظہار کی نادرہ کاری نہیں۔ رؤف کی کسی بھی نعت کو پڑھ ڈالئے ان کے ہر شعر میں آپ کو ان کے دل کی دھڑکنیں نوا پیرا ملیں گی رؤف خود شعر کہنے کی کوشش نہیں کرتے سوز و سرور عشق ان سے شعر کہلواتے ہیں اس لئے قاری و سامع پر وجد و حال کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔

رؤف کی نعت گوئی کا اس عہد میں سب سے بڑا افادی پہلو یہ ہے کہ اس دور بد آموز نے آدمی کو دوریٔ مصطفےٰؐ کے جس ظلمت کدے میں لا کر کھڑا کر دیا ہے رؤف اپنے عاشقانہ اشعار سے وقت کے اِن ظلمت کدوں میں شمع مصطفوی کو روشن کر رہے اور دوریٔ مصطفےٰؐ کے عذاب سے انسان

کو نجات دلا رہے ہیں۔ عصر حاضر رؤف کی اس خدمت کو ہرگز فراموش نہیں کر سکتا۔ غیر مسلموں کی بات تو الگ ہے۔ خود مسلمانوں میں غلط فکر مست مے پندار وحدت ایسے افکار کی تشہیر و تبلیغ کر رہے ہیں جن افکار سے انسان سوز مصطفےٰ سے محروم ہوتا جا رہا ہے اس محرومی کی لعنت کو رؤف نے اپنے سوز باطن سے اپنے ذہن و ضمیر کے انوار سے اور اپنے اشعار عاشقانہ کی معرفت دور کرنے کی مخلصانہ کوشش کی ہے اور ہمیں یہ کوشش بار آور اور نتیجہ خیز آ رہی ہے۔ ذکر مصطفےٰ کو عام کرنے میں رؤف کی کوششوں کو بڑا دخل ہے۔ رؤف سرزمین امروہہ میں یہ عاشقانہ جہاد ساٹھ سال سے مسلسل کر رہے ہیں۔

اللہ کرے عمر رؤف اور زیادہ

خراجِ عقیدت

نتیجۂ فکر جناب ابرار کرت پوری
سکریٹری مرکز علم و دانش دہلی

عامل و مدحت گرِ شانِ رسولؐ
چل بسا آخر ثنا خوانِ رسولؐ

پہلے بینائی گئی اور پھر اس کے بعد
سامنے تیرے تھا ایوانِ رسولؐ

عاشقِ محبوبِ رب، تجھ کو ملے
سایۂ جاں بخش دامانِ رسولؐ

جیتے جی بھی اُن پہ تو قربان تھا
ہو گیا مر کر بھی قربانِ رسولؐ

بالیقیں اے محترم عبدالرؤف
ہے تری تقدیر فیضانِ رسولؐ

ہو گا محشر میں وہی تیرا مقام
جس طرف ہوں گے فدایانِ رسولؐ

جتنا اے ابرار تھا مرحوم کو
کاش تم کو بھی ہو ایقانِ رسولؐ

Scanned by CamScanner

تاباں نقوی
نوائے ہند ویکلی امروہہ

ماسٹر عبدالرؤف صاحب
ایک ممتاز نعت گو

خدائے رحمٰن ورحیم کا ارشاد ہے ــــ " اَللّٰہُ رَؤُفٌ بِالعِبَادِہٖ "
اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے

آپ اگر اس بات کے قائل ہیں کہ شخصیت پر نام کا بھی کچھ اثر ضرور ہوتا ہے تو ایک نظر حافظ عبدالرؤف صاحب کو دیکھئے آیۂ مذکور کے معانی صاف طور پر قریب کی سمجھ میں آجائیں گے اور آپ محسوس کریں گے کہ وہ نام اور کام دونوں اعتبار سے عبد رؤف ہیں اور اللہ اُن پر مہربان ہے قرآن حکیم کے مطابق مال اور اولاد حیات دنیا کی زینت ہیں رؤف صاحب مالی اعتبار سے خود کفیل اور اولاد کی طرف سے خوش نصیب ہیں لیکن حیات دنیا کی اس زینت کے علاوہ اک اور زینت بھی ان کی شخصیت میں اضافہ کرتی ہے یہ ہے عشق رسولؐ کی زینت جس نے

اُن کے چہرہ کو نور اور قلب کو گداز بخشا ہے اور اُن کی نعتوں کو قبول عام کی جو سند حاصل ہے وہ ان تمام زینتوں پر مستزاد ہے۔

شب کے سناٹے میں کہیں سے کبھی میلاد شریف کی آواز آ رہی ہو نعتیہ کلام رؤف صاحب ہی کا ہوگا واقعہ یہ ہے کہ عشق محمدؐ نے افضال الٰہی کو ان کے لئے عام کر دیا ہے رؤف صاحب کہنہ مشق شاعر ہیں لیکن بنیادی حیثیت سے وہ نعت ہی کے شاعر ہیں ایسا تو نہیں کہ تغزل سے کبھی اُن کا علاقہ ہی نہ رہا ہو شباب کی منزل سے تو وہ کبھی گزر چکے ہیں اس کے علاوہ اپنے عہد کے اسلوب غزل کا اہتمام بھی ضروری تھا لیکن ان کی غزلوں کی تعداد کافی کم ہے اُن کے تین مجموعے "لمحۂ محامد" "گلرنگ تخیل" اور "کوثر رحمت" طبع ہو کر عاشقانِ رسول سے داد تحسین حاصل کر چکے ہیں ان کی نعتیں سوزِ دل شدتِ تاثر اور جذب و والہیت کی آئینہ دار ہیں ان میں اظہار وا کی سادگی و پُرکاری بھی ہے اور جوش عقیدت کا اہتمام بھی ان کی نعتوں نے بہت سے دلوں کو گرمایا اور عشق آشنا کیا ہے۔

نعت فن شعر میں بڑے ادب و احتیاط کا موضوع ہے جس طرح سدرۃ المنتہیٰ سے آگے بڑھنے پر امین وحی کو اپنے بال و پر جل جانے کا اندیشہ تھا ایسا ہی شاعر کو بھی

اگر یک سر موئے برتر پرم

کا خوف دامنگیر رہتا ہے ادب شناسوں کا قول ہے "با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار"

خدا کے ساتھ دیوانگی کی حد تو یہ ہے کہ اربابِ نظر نے نعرۂ انا الحق بھی ٹھنڈے کانوں سن لیا لیکن منزل نعت میں کوئی بھی عاشق حدودِ ہوش سے آگے نہ بڑھ سکا۔

غالب روشِ عام کے خلاف خود اپنی راہ پر چلنے کے لئے مشہور ہے اور اُس کی شوخیٔ ہر موضوع پر نت نئے گل کھلاتی ہے اللہ کے بارے میں اس کی جرأت اس شعر سے ظاہر ہے ؎

دارد بجہاں خانہ وزن نیست درو
نازم بخدا چرا تو انا نبود

لیکن نعت کے میدان میں اس کی شوخیٔ طبع کو بھی پسینہ آگیا اور بڑی فنکاری سے یہ کہہ کر گزر گیا

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کان ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

ثنائے خواجہ میرے بس کی بات نہیں میں نے اسے اللہ پر چھوڑ دیا کہ وہی محمدؐ کا حقیقی مرتبہ شناس ہے۔

حکیمِ اُمت اقبال نے بارگاہِ ایزدی میں بڑی بیباکی سے شکوہ کیا یہ اس کا نازِ بندگی تھا لیکن نعت کے میدان میں وہ بھی محتاط ہی رہا۔

جہاں تک رؤف صاحب کی نعتوں کا تعلق ہے ان میں نیازِ عاشقی بھی ہے

اور نازِ عاشقی بھی لیکن توازن کا بھی خاص اہتمام ہے۔

ساٹھ سال کا عرصہ گزرتا ہے جب رؤف صاحب نے اپنی عقیدت کے اظہار کے لئے ہر ہفتہ بعد نماز جمعہ ایک محفل نعت کی بنا ڈالی اور ہر محفل میں نئی نعتوں سے اہل ذوق کو محظوظ کیا یہ محفل نور روز آغاز سے آج تک بپا بندی جاری ہے۔ آندھی۔ طوفان، موت حیات ارضی وسماوی موانعات کوئی بھی چیز اس روایت کی راہ میں سدراہ نہ بن سکی آج جب اس روایت دیرینہ کا جشنِ الماسی منایا جا رہا ہے رؤف صاحب کی مسرتوں کا اندازہ کون کر سکتا ہے؛ کہتے ہیں دل کی لگی بُری ہوتی ہے حصول مقصد کے لئے انسان اپنے تمام امکانات بروئے کار لاتا ہے اور ہر زحمت پر ایک نئی لذت اور مسرت کا احساس کرتا ہے محفل نعت ان کی زندگی کا اہم مقصد بن چکی ہے دوران محفل درود وسلام کا ورد رکھتے ہیں عالم جذب و کیف میں سر دُھنتے ہیں اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ وہ واقعی عشق کے لذت چشیدہ ہیں۔

شاعری میں فنی معیار کی بھی بڑی اہمیت ہے وہ اس کا لحاظ تو بہرحال رکھتے ہیں لیکن مقصد کے مقابل فن کو ثانوی حیثیت دیتے ہیں عالم سرشاری میں شعر کہتے ہیں ہر شعر جوش پنہاں کا آئینہ دار ہوتا ہے مشہور ہے کہ "بات جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے" ان کی نعتیں دل والوں کے لئے دل کی آواز بن جاتی ہیں۔

Scanned by CamScanner

رؤف صاحب عقیدتاً بریلوی گروہ سے متعلق رکھتے ہیں اور بریلی ہی کے مشہور اہلِ دل کا ایک شعر ان کے اپنے عقیدہ کا بھی ترجمان ہے

اے دل بگیر دامنِ سلطانِ اولیاء
یعنی حُسین ابن علی جانِ اولیاء

رؤف صاحب کو سلطانِ اولیاء شہیدِ کربلا امام حُسین علیہ السلام سے جو بقول خواجہ اجمیر بنائے لاالٰہ ہیں بنایت عقیدت ہے ساٹھ سال پہلے جب انھوں نے محفل نعت کی بنیاد ڈالی تھی تو ساتھ ہی ہر سال عاشورۂ محرم کو ایک مجلس عزا برپا کرنے کا بھی فیصلہ کیا تھا یہ مجلس عزا بھی محفل نعت کی طرح اپنی ساٹھ سالہ تاریخ مکمل کر چکی ہے اس مجلس میں رؤف صاحب خود روتے دوسروں کو رلاتے اور انھیں فلسفۂ شہادت سے آشنا کراتے ہیں حُسین سے اُن کی عقیدت کا عالم یہ ہے کہ انھوں نے اپنے لائق بیٹوں کے نام بھی نام حُسین سے منسوب کئے ہیں ایک بیٹے کا تو صدمہ اٹھا چکے ہیں باقی چار احمد حسین، ساجد حسین، حامد حسین، آصف حسین باپ ہی کی طرح خوش عقیدہ مداح رسول و اہلبیت ہیں آخر الذکر جیوں شاعر تو نہیں لیکن مسلک پدری کے پُرجوش پیرو ہیں۔

بظاہر قصیر القامت بباطن قدآور صبیح رُخ، سفید ریش متبسم و مہربان پیکر اخلاص و دردمندی عبدالرؤف اپنی نوے سالہ زندگی کے کتنے ہی نشیب و فراز کتنی ہی بہاریں کتنی ہی کلفتیں دیکھ اور سہہ چکے ہیں حالات و تجربات نے

ان کے مزاج میں استقلال نرمی اور لوچ پیدا کر دیا ہے ان کی یہ صفات اتنی موثر ہیں کہ مفتی شہر مولانا نسیم احمد صاحب فریدی جو ایک پختہ فکر دیوبندی عالم ہیں رؤف صاحب کے مداح خاص ہیں اور ان کی نعتوں کے دو مجموعوں پر کشادہ دلی سے تقریظ لکھ چکے ہیں سچ کہا ہے کسی نے

جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے

رؤف صاحب کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی دل موہ لینے والی چمک ہے جو اُن کی عینک کے موٹے شیشوں سے گزر کر براہ راست مخاطب کے دل پر اثر کرتی ہے بندگانِ خدا سے وہ بے غرض محبت کرتے ہیں تصوف سے وابستگی نے انھیں نوع انسان سے بلا امتیاز مذہب و ملت محبت کرنا سکھا دیا ہے وہ نظریہ "ہمہ از اوست" پر اعتقاد رکھتے ہیں ہر تکلیف و راحت کو من جانب اللہ جانتے ہیں لیکن لطف یہ ہے کہ اس کے ساتھ ہی سزا و جزا اور جنت و دوزخ پر بھی ایمان رکھتے ہیں اس تضاد فکر کی کوئی منطقی توجیہہ ممکن نہیں دانندۂ اسرار محترم خواجہ حسن ثانی نظامی یا صوفی صافی طینت نثار احمد فاروقی شاید اس رمز کی نقاب کشائی کر سکیں۔

رؤف صاحب روحانی طور پر اپنے ایک پڑوسی بزرگ حمایت اللہ صاحب مرحوم سے بیعت ہیں ان بزرگ نے مدت العمر اپنے معنوی وجود کو نگاہِ عوام سے چھپائے رکھا معلوم نہیں رؤف صاحب کی کون سی ادا انھیں بھا گئی کہ ان کی نگاہ التفات

ان پر پڑ گئی اور بھرپور کام کر گئی ——— از دل خیزد بر دل ریزد

انھوں نے بھی اپنی خودی اور اپنی انا کو ان کے ہاتھ گرو کر دیا روحانی رشتوں کا معاملہ چوں کہ دلیل و برہان کے ماورا ہوتا ہے اس لئے میرے لئے اس محل پر سکوت ہی اولیٰ ہے۔

رؤف صاحب کی زندگی کا سب سے اہم اور یادگار واقعہ ان کا حج بیت اللہ سے مشرف ہونا ہے ایک زمانہ میں یہ گانا عام لوگوں کی ورد زباں تھا

مرے مولیٰ بلا لو مدینہ مجھے

عام لوگ تو صدق طلب کے بغیر یہ گانا گاتے تھے مگر یہ آواز عالم اضطراب میں تمنائے محبوب بن کر ان کے دل سے نکلتی تھی اور پھر کسی پُرسوز شعر کا جامہ پہن لیتی تھی اللہ عالم الغیب ہے ان کے دل کی لگی سے آگاہ تھا ایک دن ان کی دعا دعائے گنہ گار کی طرح مستجاب ہو گئی مملکت سعودیہ میں مقیم رؤف صاحب کے ایک ہم وطن نوجوان مسجد نبوی میں ایک دن بعد نماز عصر کچھ مراقبے میں تھے کہ یکایک ایک آواز کانوں میں آئی "عبدالرؤف کو اپنے صرفہ سے مدینہ بلاؤ" انھوں نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ یہ کون شخص ہیں۔ فوراً ہی آواز آئی کہ عیشی کے والد۔ آدمی اہل دل تھے اشارہ پا گئے اور ان کے سفر حج کا انتظام کر دیا عاشق رسول کو گویا معراج مل گئی سعادت حج اور زیارت روضۂ اطہر سے مشرف ہو کر بصحت و عافیت وطن واپس آ گئے لیکن یہ ایک حل طلب سوال

بن گیا کہ رؤف صاحب کو شرف حج زیارت مدینہ کی بے اندازہ تڑپ کی بنا پر نصیب ہوا یا حج کے طفیل ان کی تمنائے دلی پوری ہوئی

رؤف صاحب نے سفرِ حج سے واپسی پر ایک کتابچہ بعنوان "اپنی زباں سے میں" شائع کیا میرے خیال میں اس سے مقصد باحسن وجوہ پورا نہیں ہوا معاملہ بطون کے رمز و اسرار کا تھا کتاب سے کما حقہٗ ظاہر نہیں ہو سکا۔

رؤف صاحب عرصہ سے علیل ہیں مگر کچھ ایسے علیل ہیں گویا ان کی علالت صحت کا نعم البدل ہے علالت کو بھی وہ عطیہ خداوندی اور تیر دوست سمجھ کر رگِ جان بنائے ہوئے ہیں نہ کسی تکلیف کا شکوہ نہ شکایت خوش ہیں کہ بیمار عشق ہیں صحت ہو یا علالت غذا الفنی سادہ اور قلیل کہ دم تھامنے کے لئے کافی ہو ترکِ لذات کے عادی ہیں بات شوریہ چپاتی سے کبھی آگے نہیں بڑھتی لیکن اگر ان کی کوئی کمزوری ہے تو وہی انگبیں کے سربمہر گلاس یعنی آم۔ آم وہ خوش نصیب پھل ہے جس نے رؤف صاحب کے ترک لذات کے فیصلہ کو بھی چے بلنج کر رکھا ہے اپنے باغ کے ڈالی کے آم پال میں اس طرح دباتے اور چھپاتے ہیں جیسے گنہ گار لوگ اپنے گناہوں کو لیکن آم جب پختہ ہو کر خوشبو دینے لگتے ہیں تو ساری احتیاط رکھی رہ جاتی ہے اور آم عام ہو جاتے ہیں میرا خیال ہے اگر رؤف صاحب مرزا غالب کے عہد میں ہوتے تو مرزا

اِنھیں آموں کی حد تک اپنا خلیفہ بلا فصل ضرور بنا دیتے۔

آم سے اس خصوصی تعلق خاطر کا ایک سبب بھی ہے رؤف صاحب نے ۱۲۰ بیگہ کا ایک قلمی آم کا باغ خون پسینہ ایک کر کے سینچا حالات کی نامساعدت کی بنا پر یہ باغ اگرچہ اب صرف باون بیگہ رہ گیا ہے تاہم اب بھی اسے رؤف صاحب کی معاشیات میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے جب تک کس بل رہا یہ خود اولاد کی طرح باغ کے ہر درخت کی دیکھ ریکھ کرتے رہے اب معذور ہیں تو یہ کار خوش گوار ان کے بیٹے اور پوتا انجام دیتے ہیں ان کے ایک فرزند احمد حسین صاحب سیفی کے بارے میں تو یہ مشہور ہے کہ انھیں محاسنِ انبہ پر محاسنِ شعر سے بھی زیادہ دسترس حاصل ہے یہ اور بات ہے کہ بعض مبصرین انبہ اسے مبالغہ خیال کرتے ہیں۔

رؤف صاحب مرزا غالب کے ہم نسب ہیں تیموری خاندان کے مرزا ہیں ایک پیر میں معمولی سا لنگ ہے جو زمانہ تعلیم کے ایک حادثہ کی یادگار ہے لیکن یہ لنگ مانع دشت نوردی کبھی نہیں رہا ابھی کچھ دن پہلے تک چھڑی اور چھتری کے سہارے آہستہ خرامی سے مشورہ پر عمل فرمایا کرتے تھے حادثہ کی بنا پر اعلیٰ تعلیم جاری نہ رکھ سکے انٹرمیڈیٹ میں فیل ہونے کے باوجود ۱۹۲۰ء میں امام المدارس میں ریاضی اور انگریزی کے معلم مقرر ہوئے اور ۱۹۵۹ء میں امام المدارس انٹر کالج کی خدمات سے اعزاز کے ساتھ سبک دوش ہوئے جب سروس میں تھے

باتنخواہ معلم تھے اب سبک دوش ہیں تو بغیر تنخواہ کار معلمی انجام دیتے ہیں امکانی حد تک اخلاق، محبت اور شرافت کا درس دیتے رہتے ہیں۔

پیشہ معلمی کا ایک قابل ذکر پہلو وہ جذبۂ حکمرانی بھی ہوتا ہے جو طلبا پر حکومت کرتے رہنے کی بنا پر پہلے عادت اور پھر طبیعت ثانیہ بن جاتا ہے۔ رؤف صاحب کے یہاں یہ جذبہ کم سے کم ہے لیکن تھوڑا بہت ہے ضرور ان کے حکم کی ذرا سی خلاف ورزی ہو جائے تو تیور کشیدہ ہو جاتے ہیں ویسے رؤف صاحب بے حد خوش اخلاق اور بامروت ہیں آپ ان سے ملئے آپ کو جلد ہی اندازہ ہو جائے گا کہ وہ ان اعلیٰ اخلاقی قدروں کے حامل ہیں جن سے ہمارا آج کا استحصالی اور صنعتی عہد یکسر محروم ہے

رؤف صاحب نے چار شادیاں کیں لیکن پہلی بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی نہیں کی لیکن سوء اتفاق سے چاروں ہی بیویاں اللہ کو پیاری ہو گئیں اور رؤف صاحب اس آسائش تن سے محروم ہو گئے جو نصف بہتر کی موجودگی میں حاصل ہوتی ہے تاہم اس کو بھی وہ اپنے منظریہ ہمہ از دوست کے مطابق اللہ کے فضل سے تعبیر کرتے ہیں یہ استقلال مزاج یہ صبر یہ یقین ہی ہے جس نے انھیں زندہ رکھا ہے آج کل ان کی ایک بہت ہی نیک طبع بیوہ صاحبزادی باپ کی خدمت کا حق ادا کرتی ہیں مشیت کے اسرار بھی خوب ہیں کبھی چاہنے والوں کو آزمائش میں ڈالا جاتا ہے

کبھی ان کی راحت کا خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے۔

آج جب محفل نعت کا ساٹھ سالہ جشن منایا جا رہا ہے میں رؤف صاحب ان کے صاحبزادگان اور وابستگان کو ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں مجھے اعتماد ہے کہ ان کی لایق اولاد محفل نعت کی ساٹھ سالہ روایت کو ہمیشہ قائم رکھے گی۔

نظم

از قلم

ماسٹر سید ضمانت علی صاحب

ہر ایک قلب پہ رنج و الم سا ہے چھایا
سروں سے آج اٹھا اک بزرگ کا سایا

نبیؐ کے نام کے عاشق خدا کے شیدا تھے
ولی کے جتنے ہیں اوصاف سب ہویدا تھے

نہ جھول دامنِ کردار میں ذرا دیکھا
ہر اک معاملے میں با معاملہ دیکھا

نبیؐ کے ذکر سے اُن کو ہمیشہ پیار رہا
نبیؐ کی نعت لکھیں بس یہ کاروبار رہا

نبیؐ نے اُن کی محبت کا اُن کو اجر دیا
وفاؔ نے سنی مسجد میں کان سے یہ صدا

رؤف میری محبت میں اب تڑپتا ہے
مرے مزار پہ آنے کو وہ ترستا ہے

کسی طرح سے اُسے بھیجدو مدینے میں
کہ شوقِ دید مچلتا ہے اُس کے سینے میں

رؤفؔ نام سے جب وہ نہ ان کو پہچانے
صدا یہ کان میں آئی کہ باپ سیفیؔ کے

بس اس طرح سے دیارِ حبیب تک پہنچے
نبیؐ کے فیض سے ارمان سب ہوئے پورے

ہیں بادہ خوار بھی جامِ ولا بھی باقی ہے
وہی ہے میکدہ لیکن بغیرِ ساقی ہے

مجھے ہے فخر کہ مجھکو بھی اُن سے نسبت ہے
کہ اُن کا ادنیٰ سا شاگرد یہ ضمانت ہے

Scanned by CamScanner

ڈاکٹر امام مرتضیٰ نقوی امروہوی

رؤف امروہوی کی نعتیہ شاعری

رؤف امروہوی ان شاعروں میں سے ہیں جنھوں نے اپنی ساری زندگی نعت گوئی میں صرف کردی۔ وہ سرزمینِ امروہہ کی جانی پہچانی شخصیت ہیں ان کی حیثیت ایک استاد کی بھی رہی ہے جس کی بدولت انھیں عزت و وقار حاصل ہوا وہ تصوّف کے خرقہ پوش ہیں جن کا ظاہر و باطن ایک ہے۔ وہ سچے صوفی اور صاحبِ کردار بزرگ ہیں جس کی وجہ سے انھیں تقدس اور احترام حاصل ہے وہ ایک سچے مسلمان ہیں اُن کا کردار ان تمام خوبیوں سے مزین ہے جو ایک مسلمان میں ہونی چاہیئں۔

رؤف صاحب نے کسبِ معاش کے لیے معلّمی کا مقدس پیشہ اختیار کیا اور اپنی عمر کا ایک طویل عرصہ اس میں گذار دیا انھوں نے اس پیشے کے تقدس ہمیشہ پیشِ نظر رکھا۔ تجارتی اور کاروباری نقطۂ نظر کبھی اختیار نہیں کیا تشنگانِ

علم کو انتہائی خلوص سے سیراب کرنا اپنا شیوہ سمجھا، صرف درسی کتابوں کے ذریعہ پڑھانے پر ہی اپنے آپ کو محدود نہیں رکھا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اخلاقیات کی تعلیم کو بھی مقدم سمجھا تاکہ اپنے طلبار کو زیور انسانیت سے آراستہ کر سکیں۔ آج کے دور میں اخلاقی اور سماجی اقدار بدل چکی ہیں۔ طلبار کے ساتھ ساتھ استاد بھی نئی روشنی، نئی سمت اور نئی رفتار پر گامزن ہیں لیکن رؤف صاحب اس زمیندرانہ دور کی یادگار ہیں جب تہذیبی رکھ رکھاؤ کا بڑا خیال کیا جاتا تھا۔ جب گفتگو میں، لباس میں، نشست و برخاست میں، غرض زندگی کے ہر شعبہ میں تہذیب، شائستگی اور متانت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹتا تھا۔ رؤف صاحب کلاس میں پڑھاتے تو روزانہ کوئی نہ کوئی اخلاقی درس دیئے بغیر نہ رہتے تھے۔ انگریزی لباس اور انگریزی بالوں سے انھیں نفرت تھی۔ ننگے سر رہنا ان کی چڑ تھی۔ ٹوپی کی تاکید وہ ہر لڑکے کو کرتے تھے مگر ہائے رے زمانے کے انقلاب کہ آج طلبار تو درکنار خود استاد بھی اس لباس سے بے بہرہ ہیں جس کے لئے اکبر الہ آبادی پیش گوئی کر گئے تھے ؎

"بدل جائے گا انداز طبائع دور گردوں سے"

رؤف فطری شاعر ہیں۔ قدرت نے انھیں شاعرانہ ذہن دیا ہے شاعری سے لگاؤ ان کو اوائل عمر سے ہی ہو گیا تھا لیکن یہ تعجب کی بات ہے کہ انھوں نے

کبھی کسی سے اصلاح نہیں لی۔ کسی کے آگے زانوئے تلمذ طے نہیں کیا۔
ایک واقعہ کے متعلق مشہور ہے کہ ۱۹۱۵ء میں جگر مرادآبادی نگینہ کے ایک
مشاعرے میں شرکت کے لئے تشریف لائے تو رؤف صاحب کے ساتھ
ہی ایک مکان میں قیام کیا۔ میز پر دیوانِ حافظ رکھا ہوا تھا اس کے پہلے
سادہ ورق پر حضرت رؤف کی سب سے پہلی غزل لکھی ہوئی تھی۔ اسے جگر صاحب
نے پڑھا تو بہت محظوظ ہوئے اور ہونے والے مشاعرے کے لئے غزل کہلوائی
پھر اس پر اصلاح دی۔ اس کے بعد رؤف صاحب کو کبھی اپنا کلام دکھانے
کا موقع نہیں ملا۔ لیکن جب ہم رؤف کے کلام کو دیکھتے ہیں تو ان کے ہاں
جو تغزل کا رنگ ہے وہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ جگر مرادآبادی کا تاثر ہے
اسی طرح ایک آدھ غزل لاابالی صاحب کو بھی دکھائی۔ یہ بزرگ گورنمنٹ
ہائی اسکول امروہہ میں فارسی کے ٹیچر تھے۔ لیکن یہ شاگردی کا سلسلہ بالکل نہ
چل سکا اور رؤف صاحب کو کسی استاد کی ضرورت نہ پڑی۔ قدرت نے
انھیں وہ صلاحیت عطا کی تھی کہ اپنے ذاتی شوق، فکر اور جستجو سے انھوں نے
گلزارِ سخن میں نئے نئے پھول کھلائے۔

رؤف امروہوی کے تین مجموعے 'کوثر رحمت'، 'نخلۂ محامد' اور 'گلرنگ
تخیل' منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ کوثر رحمت اور نخلۂ محامد تو ان کے منقبتیہ کلام کے
مجموعے ہیں اور گلرنگ تخیل میں ان کی وہ غزلیں شامل ہیں جن میں مجازی

عشق کی کارفرمائی بھی ملتی ہے لیکن یہ بھی ان کے اصلی رنگ سے یکسر خالی نہیں۔ اس میں بھی ان کا حقیقی عشق جلوہ فرما نظر آتا ہے۔

رؤف بنیادی طور پر ایک نعت گو شاعر ہیں۔ نعت سے ان کی یہ دل چسپی معراج کمال پر پہنچی ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تقریباً ساٹھ سال سے ہر جمعہ کی شام کو ان کے مکان پر بلاناغہ نعت کی محفل ضرور منعقد ہوتی جس کا ذکر وہ ایک جگہ کرتے ہیں ؎

وہ اپنا ذکر سنوا کر جلا دیتے ہیں ہر ہفتے
کرم سرکار کا کیسا رؤفِ بے نوا پر ہے

نعت سے یہ فطری لگاؤ ان کی شاعری میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے انھیں رسولِ اکرمؐ سے والہانہ محبت اور عقیدت ہے اور یہ محبت بعض جگہ تو عشق کی حدوں کو پہنچ گئی ہے وہ رسولِ اکرمؐ کا دامن کسی حال میں نہیں چھوڑنا چاہتے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

زندگی ہو، موت ہو، کچھ بھی ہو لیکن اے رؤف
ہاتھ سے تیرے کبھی چھوٹے نہ دامانِ رسولؐ

مدینہ کی تڑپ ان کے کلام میں جگہ جگہ نمایاں ہے۔ ان کی یہ دلی تمنا ہے کہ کسی صورت مدینہ کی زیارت سے شرف یاب ہوں۔ اس تڑپ میں وہ کبھی نالے کرتے ہیں کبھی روتے ہیں کبھی ان پر غشی کی کیفیت

طاری ہوجاتی ہے۔ انھیں مدینے کا فراق کسی طرح گوارہ نہیں ؎

کسی وقت نالے کسی وقت زاری — کبھی محوِ حیرت، کبھی عشق طاری
رؤفِ حزیں کو مدینے بُلا لو — فراق اب نہیں ہے گوارا تمھارا

یہ حسرت ہے کبھی تو زندگی میں کروں سیرِ گلستانِ مدینہ

رؤفِ زار کی بھی عرض سُن لو ہے اک مدت سے ارمانِ مدینہ

شاعر کو اگر ایک طرف مدینہ کی زیارت کی تڑپ ہے تو دوسری طرف شاعر کو اپنی کم مائگی کا بھی احساس ہے وہ سمجھتا ہے کہ میری محبت اتنی پختہ نہیں ہے کہ اس میں اثر پیدا ہوسکے۔ میرے عشق میں اتنی تاثیر نہیں ہے کہ والیٔ مدینہ مجھے زیارت کا شرف بخشیں۔ وہ جانتا ہے کہ میرے اندر نہ خلوص ہے نہ یقین ہے نہ محبت ہے پھر کس بنیاد پر رسولِ اکرمؐ کی محبت کا خریدار بنا جاسکتا ہے۔ شاعر کا احساس ہی اس بات کا مظہر ہے کہ اس کا خلوص اور اس کی محبت مکمل اور پختہ نہیں ہے۔ ہر سچا عاشق یہی سمجھتا ہے کہ میری محبت ابھی پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچی۔ اس کے برخلاف ایک خام کار عاشق اپنی محبت کا سچا دعویٰ دار ہوتا ہے۔ رؤف کے یہاں اس احساس کی شدت دیکھئے ؎

اخلاص ہے، یقیں ہے، محبت ہے، کیا ہے رؤف

کیا ہے جو بن رہے ہو خریدارِ مصطفیٰؐ
ان کی طرف سے کس لئے ہوتی کمی رؤف
تم ہی نہیں ہو لائقِ دربارِ مصطفیٰؐ

شاعر التجا کرتا ہے ؎

یہ سوچ کر ہی بلا لیجئے مدینہ میں
کہ خار کی بھی ضرورت ہے گلستاں کے لئے

اور آخر کار ۱۹۷۸ء میں یہ التجا قبول ہو جاتی ہے۔ یہ حسرت اور ارمان پورے ہو جاتے ہیں جو شاعر کو بے چین کئے ہوئے تھے ؎

اے شہنشاہِ زمن اے رحمتِ پروردگار
آپنے دکھلا دیا آخر مجھے اپنا دیار
خانۂ کعبہ پر جب پہلی نظر جا کر پڑی
دل نکلنے کو ہوا پہلو سے میرے بے قرار
ہو گیا پھر خود بخود فوراً ہی مصروفِ طواف
گردِ شمعِ کعبہ میں پھرنے لگا پروانہ وار
پھر مدینہ دیکھنے کا شوق تڑپانے لگا
اور اک دن ہو گیا عزمِ مدینہ استوار
تب ہمارا قافلہ سوئے مدینہ چل دیا
باغِ جنت کی فضائیں جسکی گلیوں پہ نثار

رؤف نے عشقِ الٰہی اور عشقِ رسولؐ میں اپنے آپ کو کھو دیا ہے۔ یہ سرمستی اور سرخوشی ہر وقت ان پر چھائی رہتی ہے اور یہی ان کے لئے بہت بڑی نعمت ہے ؎

دونوں جہاں کی نعمتیں گویا مجھے نصیب ہیں

دل میں خدا کی یاد ہے لب پہ نبیؐ کا نام ہے

اس محبت نے انھیں قبر کے عذاب اور خوف حساب سے بھی بیگانہ کر دیا ہے انھیں یقین ہے کہ اگر تو سرورِ انبیاء کا غلام ہے تو پھر عذاب قبر اور حسابِ حشر کا کیا خوف! ؎

فکرِ عذابِ قبر کیا، خوفِ حسابِ حشر کیا
سرورِ انبیاء کا تو دل سے اگر غلام ہے

سچے عشق میں انسان اپنے آپ کو بھی بھول جاتا ہے اسے اپنی بھی کوئی خبر نہیں ہوتی بس وہ یہ چاہتا ہے کہ وہ ہر وقت تصورات میں محبوب سے باتیں کرتا رہے مومن نے بھی یہی بات کہی تھی مگر وہ اپنے آپ کو بھولے نہیں ؎

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

رؤف ان سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں وہ اپنے آپ کو بھی بھلانا چاہتے ہیں ؎

الفت میں رؤف اوروں کو تو کیا خود کو بھی بھلانا پڑتا ہے

جب غیر نہیں رہتا کوئی تب یار سے باتیں ہوتی ہیں، شاعر جمالِ یار میں اتنا محو ہے کہ اس کا نیاز حاصل کرنے کے لئے نہ اس کو قعود کی ضرورت ہے اور نہ سجود سے کوئی کام ہے کیوں کہ نمازِ عشق تو اس کی طریقت میں بغیر قعود اور سجود کے جائز ہے۔ شاد نے

بھی کہا تھا ؎

ترے کوچے میں ہیں پڑے ہوئے، ترے نام سے ہمیں کام ہے
نہ قعود سے کوئی بحث ہے نہ قیام سے ہمیں کام ہے

رؤف نے کہا ہے ؎

کیسا قیام، کیا قعود؟ کیسا رکوع؟ کیا سجود
محوِ جمالِ یار ہوں بس ہے یہی نمازِ عشق

محوِ جمالِ یار ہونے کے لئے اگر کسی چیز کی ضرورت ہے تو دل کے آئینے کی صفائی کی ضرورت ہے پھر تو جب بھی دل کے آئینے میں جھانکو تصویرِ یار ہی نظر آئے گی۔ رؤف کہتے ہیں ؎

دل کا آئینہ اگر ہم صاف کر کے دیکھتے
جس طرف آنکھیں اٹھاتے روئے انور دیکھتے

رسولِ اکرمؐ کی محبت اس وقت تک پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچتی جب تک ان کے چاہنے والوں کا ذکر نہ کیا جائے۔ اس لئے رؤف کے کلام میں رسولِ اکرمؐ کی محبت اور مؤدت کا ہی اظہار نہیں ہوتا بلکہ یہ دائرہ بہت وسیع ہے۔ انھوں نے خلفائے راشدین کی بھی منقبت کہی ہے۔ نواسۂ رسولؐ امام حسینؓ کی شان میں بھی خراجِ عقیدت پیش کیا ہے اویسی ہونے کے ناطے خواجہ معین الدین چشتیؒ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اور

حضرت شرف الدین شاہ ولایتؒ تک کی مدح میں رطب اللسان ہوئے ہیں۔ حضرت علیؓ کی شان میں وہ اپنے جذبات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں ؎

دیکھ کر دل کش ادائے بوترابؓ — ہوگیا دل مبتلائے بوترابؓ
جب پکارا آگئے امداد کو — جان صدقے، دل فدائے بوترابؓ
بادشاہی کا مزہ لیتا رہے — کوئی ہو جائے گدائے بوترابؓ

حضرت امام حسینؓ کے بارے میں رؤف کا نظریہ یہ ہے کہ اسلام انھیں کی بدولت زندہ ہے انھوں نے ہی اسلام کو نئے سرے سے زندگی بخشی ورنہ آج اسلام کہیں نظر نہیں آتا ؎

بخشی انھوں نے دیں کو نئے سر سے زندگی
اسلام آج ہے تو بدولت حسینؓ کی

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ جو صوفیائے کرام میں اولیت کا شرف رکھتے ہیں ان کے لئے شاعر تحریر کرتا ہے ؎

شہاب الدین شیخ سہروردیؒ — عنایت تھی حبیب کبریا کی

اسی طرح خواجہ معین الدین چشتیؒ جن کے سلسلۂ تصوف میں رؤف خود منسلک ہیں اس طرح فرماتے ہیں ؎

معین الدین اجمیری و چشتیؒ — کروں تعریف کیا اس باصفا کی
معین دین و ملت بن کے آئے — دکھادی شان ختم الانبیاؐ کی

حضرت شرف الدین شاہ ولایتؒ جو سرزمین امروہہ کے ایک مشہور باکرامت صوفی بزرگ گزرے ہیں شاعر نے اُن کے آستانے پر بھی خراج عقیدت پیش کیا ہے ؎

خدمت ہے تمھاری خدمتِ حق، الفت ہے تمھاری الفتِ حق
کوچہ ہے تمھارا خلدِ بریں یا شاہِ ولایت شرف الدینؒ
تم حفظ و حمایتِ امروہہ، تم شاہ ولایت امروہہ
میں بھی ہوں یہاں اک خاک نشیں یا شاہ ولایت شرف الدینؒ

رؤف تصوف کے نام لیوا ہیں خرقہ پوش ہیں اور یہی ان کا مسلک ہے۔ صوفیوں کے ایک گروہ کا عقیدہ ہے کہ کائنات میں جو چیز بھی ہم دیکھتے ہیں وہ وحدت مطلق کی ذات کا پرتو ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں اور اس عقیدے کو 'ہمہ اوست' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ شاعر بھی اسی عقیدے کا حامل ہے جس کا اظہار وہ اس طرح کرتا ہے ؎

جن پر کرم ہے ان کا وہ دیکھتے ہیں ان کو
ہر برگ، ہر شجر میں، ہر گل میں ہر کلی میں

حدیث میں ارشاد ہے کہ پہلے اپنے آپ کو پہچانو پھر خدا کو پہچانو۔ صوفیائے کرام نے بھی اپنے عقیدے کی بنیاد اسی حدیث پر رکھی ہے یعنی اگر اپنے آپ کو پہچان لیا تو گویا خدا کی معرفت حاصل ہو گئی۔ رؤف اسی نظریہ

کو ایک جگہ پیش کرتے ہیں ؎

مرے دین و ملت کو سمجھے کوئی کیا　　جدا سارے عالم سے مسلک ہے میرا

رؤف ایک وہ ہیں جو طالب ہیں حق کے

اور اک میں کہ اپنا پتہ پوچھتا ہوں

ایک صوفی ہمیشہ دیر و حرم کے جھگڑوں سے دور بھاگتا ہے۔ دیر و حرم تو مخلوق خدا کے بنائے ہوئے امتیازات کا نام ہے ورنہ اصل دونوں کی ایک ہے شان خداوندی کا جلوہ تو دونوں جگہ ظاہر ہوتا ہے۔ شعرائے کرام نے اس دیر و حرم کے اختلاف کو مٹانے کے لئے مختلف پیرائے میں اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ رؤف کتنی سادگی کے ساتھ کہتے ہیں ؎

غرض دیر سے ہے نہ مطلب حرم سے　　یہ جھگڑے مٹانے کو جی چاہتا ہے

ایک صوفی ہونے کے ناطے ناپائیداری دنیا کے مضامین بھی رؤف کے کلام میں جگہ جگہ نظر آتے ہیں وہ دنیا سے دل نہیں لگاتے وہ اس کو ایک دھوکا سمجھتے جیسے اس سے قبیل کے دوسرے شعراء نے سمجھا ہے رؤف کہتے ہیں ؎

مچی تھی دھوم جن کی سلطنت کی　　کہیں ملتا نہیں ان کا نشاں اب

آنے کا ایک دن تھا جانے کا دوسرا دن

سچ پوچھئے تو بس یہ دو دن ہیں زندگی میں

رؤف ایک دھوکا ہی دھوکا ہے دنیا　　کہاں دل لگانے کو جی چاہتا ہے

رؤف کا کلام زندگی کی صداقتوں سے خالی نہیں وہ آج کی دنیا کا شدید احساس کرتے ہیں اور اپنی بصیرت سے کام لے کر اپنے تجربات اور مشاہدات کو شعر کا جامہ پہنا دیتے ہیں ؎

اجنبیت کا یہ عالم کہ الٰہی توبہ　　ماں کو بیٹے کی کبھی پہچان ذرا مشکل ہے

دشمن جاں ہیں جو خفیہ دوست سمجھ رکھا تھا　　اپنے بیگانے کی پہچان بڑی مشکل ہے

رؤف صوفی ضرور ہیں لیکن ان کا تصوف خالص اسلامی تصوف ہے وہ رہبانیت کے قائل نہیں۔ وہ محرابِ قسمت پر رونا پسند نہیں کرتے بلکہ ہاتھ پیر مارنے کی تعلیم دیتے ہیں وہ مسلمانوں کو میدانِ عمل میں آنے کی دعوت دیتے ہیں انھیں مسلمانوں سے شکایت ہے ؎

مسلمانوں کی حالت کچھ نہ پوچھو　　جسے دیکھو وہ سویا جا رہا ہے

نہیں آتے یہ میدانِ عمل میں　　فقط قسمت کو رویا جا رہا ہے

رؤف کی شخصیت بڑی سادہ ہے۔ وہ بناوٹ، تصنع اور ظاہری شان و شوکت سے بے نیاز ہیں۔ اس کے برعکس ان کے ہاں انکساری کا جذبہ پایا جاتا ہے وہ اس شخص کو پسند کرتے ہیں جو ان کی غلطیوں اور خامیوں کو

ان کے سامنے ظاہر کر دے ؎

وہ میرا دوست ہے جو بے تکلف مجھ سے یہ کہہ دے

رؤف اس وقت تجھ میں یہ کمی معلوم ہوتی ہے

رؤف قرآن کے حافظ ہیں اور ساتھ ہی ساتھ قرآن کے رموز اور نکات سے بھی واقف ہیں۔ انھوں نے قرآن کی آیات سے اپنی شاعری میں بڑا فائدہ اٹھایا ہے۔ ان کی شاعری میں قرآن کی آیات کی طرف اشارے ملتے ہیں ؎

واللیل ہے یا زلفِ معنبر کا سراپا　　والشمس کی تفسیر ہے رخسار تمھارا

الم نشرح لک صدرک صفت ہے ان کے سینے کی

بیانِ سورۂ یٰسین ان کا وصفِ دنداں ہے

رؤف نے خسرو، جامی، حافظ کی فارسی نعتوں پر بھی تضمین کی ہے جس کو بڑے دل کش انداز میں پیش کیا ہے۔ ایک فارسی داں کو جامی اور حافظ کی نعتوں میں بعض اوقات وہ لطف نہیں حاصل ہو سکتا جو لطف رؤف کی تضمین پڑھنے کے بعد حاصل ہو سکتا ہے وہ امیر خسرو کی نعت پر تضمین کرتے ہیں

گل کی پڑی تجھ پر نظر ٹکڑے ہوا فوراً جگر　　شبنم نے دیکھا تھا کہیں روتے ہی گزری عمر بھر

کس قسم کا جادو کیا تو نے بتا اے عشوہ گر　　چوں بر رخِ زیبائے تو افتادہ زاہد را نظر

تسبیحِ زہدش یک طرف معبد مصلےٰ یک طرف

رؤف کے کلام میں چھوٹی بحریں بھی ملتی ہیں اور بڑی بحریں بھی۔ کہیں کہیں ایسا بھی ہوا ہے کہ بڑی بحر کا آخری مصرعہ چھوٹی بحر کا پورا شعر بن گیا ہے بڑی بحر کے شعر دیکھئے ؎

خوشی سے زمانے کے آلام سہنا۔ محبت کے کوچے میں دن رات رہنا
نہیں دیر و کعبہ کے جھگڑوں سے مطلب۔ میں ملنے کا ان کے پتا پوچھتا ہوں

میرے دین و ملت کو سمجھے کوئی کیا جدا سارے عالم سے مسلک ہے میرا
رؤف ایک وہ ہیں جو طالب ہیں حق کے۔ اور اک میں کہ اپنا پتا پوچھتا ہوں

اب ان دو شعروں کے آخری مصرعوں کو انھوں نے چھوٹی بحر کے دو شعر بنا دیئے ہیں ؎

نہیں دیر و کعبہ کے جھگڑوں سے مطلب — میں ملنے کا ان کے پتا پوچھتا ہوں
رؤف ایک وہ ہیں جو طالب ہیں حق کے — اور اک میں کہ اپنا پتا پوچھتا ہوں

چھوٹی بحر ہو یا بڑی دونوں میں رؤف کے یہاں غنائیت بلا کی پائی جاتی ہے۔ ان کے ہر شعر میں ترنم اور نغمگی کانوں میں رس گھولتی ہے اور خود بخود سننے والے پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ یہ اشعار دیکھئے جو ترنم سے لبریز ہیں ؎

یہ اپنے ہیں وہ بیگانے، مجنونِ محبت کیا جانے
ہر گل سے جی بہلاتا ہوں ہر خار سے باتیں ہوتی ہیں

آنے کا ایک دن تھا جانے کا دوسرا دن
سچ پوچھئے تو بس یہ دو دن ہیں زندگی میں

کہیں کہیں دوسرے شعراء کی زمین میں بھی غزلیں کہی ہیں مثلاً جگر کا شعر ہے ؎

آئینہ چوم چوم رہے تھے وہ بار بار دیکھا جو یک بیک مجھے شرما کے رہ گئے

رؤف نے کتنی خوبصورتی سے اس زمین کو اپنایا ہے ؎

پہلے تو تکتی آنکھیں سے شکایت ہمیں رؤف
دیکھے جو اپنے عیب تو شرما کے رہ گئے

ظفر کی ایک غزل میں نہ رہا کی بڑی اچھی تکرار ہے۔ رؤف کے ہاں بھی اس کا تصرف دیکھئے۔ ظفر نے کہا تھا ؎

اسے چاہا تھا میں نے کہ روک رکھوں، مری جان کبھی جائے تو جانے نہ دوں
کئے لاکھ فریب کروڑ فسوں، نہ رہا، نہ رہا، نہ رہا، نہ رہا

رؤف کہتے ہیں ؎

آدم بھی ہوئے یحییٰ بھی ہوئے عیسیٰ بھی ہوئے موسیٰ بھی ہوئے
مگر ایک بھی شافع روز جزا، نہ ہوا، نہ ہوا، نہ ہوا، نہ ہوا

شعر میں دو آدمیوں کی گفتگو اور بات چیت کا بیان کرنا بڑا دشوار کام ہے ایک پختہ کار ہی اس فن کو نبھا سکتا ہے۔ ایک شعر میں مختصر

الفاظ میں رؤف کی مکالمہ نگاری دیکھئے ؎

پوچھا عاشق کی آپ کے پہچان؟ بولے آنکھوں سے خوں فشانی ہے
پوچھا شادی و غم سے کیا مطلب؟ بولے نیرنگِ آسمانی ہے
پوچھا دوری بھی ظلم ہے کہ نہیں؟ بولے نادان مہربانی ہے

شعر کا سب سے پہلا اور آخری وصف یہ ہے کہ شاعر کا تاثر سننے والے یا پڑھنے والے کا تاثر بن جائے۔ وہی محسوس کرنے لگے جو شاعر محسوس کر رہا ہے اس معیار پر اگر رؤف کی شاعری کا جائزہ لیا جائے تو اس کا ہر شعر کیف و اثر، سوز و گداز، جذب و شوق اور احساس کی ایک دنیا اپنے اندر آباد رکھتا ہے۔ ان کی زبان بڑی سادہ ہے مگر ایسی سادگی نہیں جو بے کیف ہو بلکہ انتہائی دل کش ہے۔ وہ مینا کاری نہیں کرتے۔ وہ الفاظ کے ایسے گل بوٹے نہیں بوٹتے جن میں خوشبو نہ ہو بلکہ آمد کے تحت جو الفاظ آتے ہیں وہی اپنی بہار دکھاتے ہیں۔ ان کی زبان روزمرّہ کی زبان ہے لیکن ساتھ ساتھ قواعد کی پابندیوں کا بھی احترام کرتے ہیں۔ ان کے یہاں سہل ممتنع کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں ؎

تم ہمیں یاد کرو یا نہ کرو ہم تمھیں یاد کئے جاتے ہیں
دفن کرنا کوچۂ دلدار میں مر رہا ہوں انتظارِ یار میں

رؤف کے کلام کی یہی خوبیاں ہیں جس نے ان کی شاعری کو قبول

عام کا شرف بخشا ہے۔ ان کے نعتیہ کلام نے اردو شاعری کی اس صنف میں ایک گراں بہا اضافہ کیا ہے۔ سیر زمینِ امروہہ کے لئے رؤف کا کلام باعثِ افتخار ہے۔ ان کی زبان کوثر و تسنیم سے دُھلی ہوئی ہے وہ خود ایک جگہ اپنی زبان کے لطف کا اعتراف کرتے ہیں ؎

رؤف اس بزم سے اُٹھنا تمھارا
زباں کا لطف گویا جا رہا ہے

ثاقب امروہوی ایڈووکیٹ

کلامِ رؤفؔ اور مقامِ رؤفؔ

نہ لکھنے کی قلم میں میرے طاقت
نہ کہنے کا مجھے یارا زباں سے

اگر اصنافِ سخن میں نعت گوئی کو ایک صنف کی حیثیت سے داخل کرلیا جائے تو نعت گوئی ایک ایسی پاکیزہ صنف قرار پائے گی جس میں محبوبِ خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف، اُن کی شخصیت، اُن کی صورت اُن کی سیرت، اُن کے کردار، اِن کی گفتار، ان کے عادات، اُن کے اطوار اُن کے کمالات اُن کے معجزات، اُن سے محبت، اُن کے مسکن سے محبت، اُن کے اصحاب سے اُن کے اہلِ بیت سے محبت اُن کی فرقت میں عاشق کا حال، وارداتِ قلب، اور اِن تمام کیفیات کے مضامین و خیالات کی عکاسی، ایسے پاکیزہ و شائستہ الفاظ کے ذریعہ کی جائے جن پر تمام اصناف سخن قربان کئے جاسکتے ہیں نعت شریف مروّجہ تمام اصناف سخن میں لکھی گئی ہے۔ مسدّس، مخمّس، نظم۔ غزل،

Scanned by CamScanner

مثنوی، قصیدہ وغیرہ سبھی میں ہمیں نعت ملتی ہے۔ لیکن نعت گوئی کو ابھی تک ایک الگ صنفِ سخن قرار نہیں دیا گیا۔

شاید ہی کوئی بدنصیب شاعر ایسا ہو جس نے روایتاً، اخلاقاً یا حقیقتاً نعت کا کوئی شعر نہ کہا ہو۔

نعت گوئی کے لئے ایک خالص سلیقہ الفاظ کی شائستگی، خیالات کی طہارت، جذبات کی شدت کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت کا ہونا ضروری ہے۔ یہ عقیدت جس قدر گہری اور یہ جذبہ جس قدر شدید ہوگا اس میں اسی قدر تاثیر ہوگی اسی قدر روح میں بالیدگی پیدا ہوگی۔ روح کی بالیدگی کثافت کو دور کر دے گی اور قلب و نظر میں اسی قدر پاکیزگی پیدا ہو جائے گی کہ ذہن سے تاریکیوں کے بادل چھٹ کر ہر طرف نور ہی نور دکھائی دے گا۔ جب کوئی شخص حبِّ نبیؐ میں گم ہو کر دنیاوی رذائل سے اپنے نفس کو پاک کر لیتا ہے تو غیب کے انعکاسات اس پر سایہ ڈال دیتے ہیں اور انسان پر وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ یہ وجدان دراصل ایک ذوقی چیز ہے اس لئے اس کو ذوق سے ہی پایا جا سکتا ہے۔ اس ذوق کا تعلق اس عالم وجدان کی سرحد سے ملتا ہے جہاں عالم ادراک کی سرحد ختم ہو جاتی ہے اس کو ہم ماوراء وجدان سے تعبیر کرتے ہیں یہ وہ مقام ہے جہاں انسان پر اسرار و رموز ظاہر ہونے لگتے ہیں وہ مادی دنیا کو نظر

نہیں آسکتے۔ یہ ایک عجیب عالم ہوتا ہے اسے عشق کی دنیا کہتے ہیں۔ اور عشق بھی کس کا محبوبِ خدا کا۔ یہ عشق کی دنیا ایک نئی دنیا ہوتی ہے۔ ایسی دنیا جہاں رنج خوشی بن جاتا ہے۔

نبیؐ کا عشق دنیا ہی نئی معلوم ہوتی ہے
فلک جو رنج دیتا ہے خوشی معلوم ہوتی ہے

لیکن یہ دولتِ حُبِّ نبویؐ ہر کسی کو حاصل نہیں ہوتی۔

خال ہی خال کو ملتی ہے یہ دولت زاہد
مذہبِ عشقِ نبیؐ ملّتِ جمہور نہیں

یہ ایک ایسا عالم ہے جس کی وضاحت لسان و ادب کے پیمانوں سے نہیں کی جاسکتی جس طرح یہ ناممکن ہے کہ عقل و شعور کو حیات کی اصطلاح میں بیان کیا جائے اسی طرح یہ بھی دشوار ہے کہ وجدان اور ماوراء وجدان کو عقل و شعور کی اصطلاحوں میں ظاہر کیا جائے۔ اور حضرت رؤفؔ امروہوی نعت گوئی کی بدولت اس مقام پر پہنچ چکے ہیں جہاں انھوں نے اس عرفان کو حاصل کرلیا ہے۔ لیکن اس مقام تک پہنچنے کے لئے انھوں نے کتنے مدارج طے کئے ہیں۔ کن کن دشواریوں کا سامنا کیا ہے کن کن راستوں سے گزرے ہیں کیا کیا مختلف کیفیات ان پر طاری ہوئی ہیں۔ یہ تمام واردات ان کے کلام میں نظر آتے ہیں۔ ان کے کلام میں شریعت و طریقت دونوں کی آمیزش ہے۔ اگر ایک طرف قرآنِ حکیم کی آیات کی تفسیر ہے اور

احادیث کا مفہوم اشعار میں سمو دیا ہے تو دوسری طرف باطن کی اصلاح کے لئے درس تصوف موجود ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ رؤف صاحب کے کلام میں کون سا فلسفہ ہے؟ کیا رؤف صاحب کے یہاں جو غم ہے اس کی بدولت کیا ان کو تنوطی شاعروں کی صف میں کھڑا کیا جا سکتا ہے؟ کیا رؤف صاحب ایک صوفی صافی شاعر ہیں یا خالص دنیا دار؟ اس قسم کے کئی سوالات ذہن میں ابھر سکتے ہیں لیکن جب رؤف صاحب کے مجموعۂ کلام نخلۂ محامد، کوثر رحمت، اور گلرنگ تخیل کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو ایک ہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے اور وہ یہ کہ حضرت رؤف امروہوی خالص نعت گو شاعر ہیں۔ ان کے یہاں ایک نظام حیات نظر آتا ہے۔ اسلام کی صحیح روح کلام رؤف میں رواں دواں ہے۔ حضرت رؤف صاحب کا کلام تجربات، مشاہدات، واقعات، واردات، جذبات اور ان مکاشفات کی جیتی جاگتی تصویر ہے جو خالص حبِ رسولؐ کے رنگوں سے تیار کی گئی ہے۔ ان کے یہاں اس حقیقی عشق کی کارفرمائیاں نظر آتی ہیں جو انسان کو بلال و اویس بنا دیتا ہے اور شاعر کو جامی، رومی اور سعدی کا درجہ عطا کرتا ہے۔ ان کے یہاں "جنت" کی خواہش نہیں بلکہ "مدینہ" کی آرزو ملتی ہے وہ سچے مسلمان اور سچے عاشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ اور اسی عشق نبیؐ نے انھیں شاعر رسولؐ بنا دیا ہے۔ وہ دین اور دنیا دونوں دامان محمدی میں پوشیدہ دیکھتے ہیں۔ وہ خدا سے بجز اپنی دعاؤں میں اثر ہونے کے کچھ نہیں

مانگتے۔ وہ خدا سے حُبِ محمدؐ کو مانگتے ہیں۔

میں مانگتا ہی نہیں اور کوئی شے آقا
فقط دعاؤں میں پیدا میری اثر ہو جائے
وفا شعاروں میں حضرت کے میرا حشر بھی ہو
مجھے بھی عشق شہنشاہِ بحر و بر ہو جائے

اور یہ عشقِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو ازل سے رؤف صاحب کی قسمت میں لکھا تھا پھر وہ نعت سرائی کیوں نہ کرتے ؎

نعت سرائی میری جائے تعجب نہیں
میں تو ازل سے رؤف ان کا گرفتار ہوں

دل میں ذوقِ عشق نبیؐ کی چنگاری تو ازل سے دبی تھی۔ دُعا قبول ہوئی۔ عشق کی ابتدا ذوق نے کر دی۔ محبوب کو پانے کی خواہش تیز ہونے لگی۔ غم فرقت نے عشق کی آگ کو اُبھارنا شروع کر دیا اور رؤف صاحب کہہ اُٹھے۔

سینے میں کہوں کیا اے ہمدم کون آگ لگائے جاتا ہے
اک مہ کی جدائی کا غم ہے جو مجھ کو کھائے جاتا ہے
جب داغ جگر کے جلتے ہیں آنکھوں سے اشک اُبلتے ہیں
آ آ کے خیال مدینے کا دل کو تڑپائے جاتا ہے

یہ کی جدائی کا غم یہ خیال مدینہ یہ دل کی تڑپ جب پیدا ہو جاتی ہے تب عشق

Scanned by CamScanner

کی کارفرمائی بھی تیز ہو جاتی ہے۔ عاشق کو محبت میں نہ صرف دل دے کر ہی اکتفا کرنا پڑتا ہے بلکہ اپنے وجود کو بھی گم کر دینا پڑتا ہے اور یہی وہ مقام ہوتا ہے جہاں حسن و عشق ایک ہو جاتے ہیں۔

دل دینا جانتا تھا یہ کیا جانتا تھا میں
جب کھو چکوں گا آپ کو تب تم کو پاؤں گا

اس شعر میں آپ اور تم کو کھونا اور پانا عجیب لطف دے رہے ہیں۔ عاشق کو ہر طرف محبوب کا جلوہ نظر آتا ہے لیکن اس کے لئے ایک خاص جذبہ ذوقِ عمل اور یقین کی ضرورت ہوتی ہے۔ دل کی آنکھ سے محبوب کا نظارہ کیا جا سکتا ہے چنانچہ رؤف صاحب فرماتے ہیں ؎

اگرچہ اوجھل ہیں وہ نظر سے مگر ہیں ہر وقت پاس میرے
یقین رکھتا ہوں اس کا دل سے گمان کیسا خیال کیسا

وہی پیشِ نظر ہیں جس طرف نظریں اٹھاتا ہوں
جہاں رہتا ہوں اُن کی ہی گلی معلوم ہوتی ہے

رؤف آنکھیں اگر کھل جائیں دل کی
تو ان کو دیکھ لو چاہو جہاں سے

Scanned by CamScanner

کہنے سے فقط گوہر مقصد نہیں ملتا
وہ سامنے ہیں اس کا تہہ دل سے یقیں ہو

اور یہ یقین ہی ایمان مکمل کرتا ہے ؎

تم کہہ رہے ہو عالم کی جان ہیں محمدؐ
میں کہہ رہا ہوں میرا ایمان ہیں محمدؐ

رؤف صاحب صرف موحد ہی نہیں بلکہ خالص مسلمان اور کامل مومن ہیں وہ حق کی جستجو میں رہِ طریقت اختیار کرتے ہیں اور اس راہ پر چلنے کے لئے رہبر کو ضروری سمجھتے ہیں وہ زاہد کی منطق کے قائل نہیں

بغیر رہبرِ راہِ طریقت حق کامل جانا
تری منطق کا زاہد میں تو قائل ہو نہیں سکتا

وہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رہبر اپنا ہادی مانتے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں خدا کی باتیں ہیں اور ان کی زلفیں خدا سے ملنے کا راستہ ہیں۔

تمھیں سے دن ہیں تمھیں سے راتیں تمھاری باتیں خدا کی باتیں
خدا سے ملنے کا راستہ ہے تمھاری زلفوں کا جال کیسا

عشقِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں جب یادوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے تو دل پر مختلف کیفیات طاری ہوتی ہیں شب فرقت کی تنہائی میں محبوب کی یادیں عاشق کے دل میں کیا کیا طوفان اٹھاتی ہیں اس کا اندازہ وہی دل لگا

لگا سکتے ہیں جن پر گزرتی ہے۔ محبوب کی یاد ہی دل ناشاد کو شاد کرتی ہے

تمھاری یاد سے ناشاد دل کو شاد کرتے ہیں
ہم اس اُجڑی ہوئی منزل کو یوں آباد کرتے ہیں

محبوب کی فرقت میں اپنی بات صبا کو ہی سنائی جا سکتی ہے۔

اے صبا جس وقت بھی اس گل کی یاد آجائے ہے
کیا کہوں کیا کیا ستم کیا کیا قیامت ڈھائے ہے
اک طرف اشکوں کا دریا آنکھ سے بہتا ہوا
اک طرف بے تاب دل پہلو سے نکلا جائے ہے
کچھ نہ پوچھو طائرِ دل کا تڑپنا لوٹنا
یاد کیا آتی ہے بس اک تیر سا لگ جائے ہے

یاد کا تیر طائرِ دل کے لگنا اور اس کا تڑپنا اور لوٹنا کس قدر لطف دے رہا ہے۔ عشقِ احمدؐ میں فرقت سے داغ دل کبھی گل بن کر مہکتے ہیں تو کبھی چراغ بن کر روشنی دکھاتے ہیں ؎

عشقِ احمدؐ میں جو ہم نے داغ دل پر کھائے ہیں
صحنِ جنت سے گلِ مقصود چُن کر لائے ہیں

عشقِ احمدؐ کو صحنِ جنت اور داغ دل کو گل مقصود کہنا رؤف صاحب ہی کا حصہ ہے جنت کی خواہش ہر مومن کو کرنی چاہیئے لیکن رؤف صاحب کو جنت کی

نہیں بلکہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خواہش ہے کیوں کہ وہ جانتے ہیں جنت تو مسلمان کا حق ہے ہی لیکن بغیر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جنت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا وہ جنت کے حصول کا راز یہ بتاتے ہیں ؎

جو پوچھے کوئی تدبیرِ حصولِ گلشنِ جنت
تو کہہ دینا گدائے احمدِ مختار ہو جائے

ان کے نزدیک عشقِ نبیؐ میں یاد کرتے کرتے مرجانا عینِ حیات ہے لیکن اگر کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زندگی میں یاد نہیں کیا تو وہ زندہ رہتے ہوئے بھی مُردہ ہے۔ ؎

جو تمھیں بھولا وہ گویا زندگی میں مر گیا
مر کے وہ زندہ ہوا جس نے تمھاری یاد کی

محبت کے دیوانے کو اگر تلاش ہوتی ہے تو محبوب کی اور اس کے مسکن کی عاشق کے درد دل کا مداوا محبوب ہوتا ہے۔ رؤف صاحب کے دردِ دل کی دوا اُن کے ہر غم ہر مرض کا علاج محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذاتِ گرامی ہے۔

دنیا میں غموں سے مفر نہیں غم بہر حال غم ہوتے ہیں ان سے نجات حاصل کرنے کی کوشش بھی کی جاتی ہے اور ان سے سمجھوتہ بھی کیا جاتا ہے۔ رؤف صاحب کے یہاں بھی غم ملتا ہے مگر ان کا غم نہ روایتی ہے نہ دنیوی بلکہ ان کے یہاں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فرقت کا غم ہے اور مدینہ دیکھنے کی حسرت ہے وہ

اپنے غم کا علاج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کے عرفان میں بتاتے ہیں۔
ان کا یقین ہے کہ درودِ پاک کا ورد ہر غم کو دُور کر دیتا ہے۔ اور ہر لمحہ خوشی ملتی ہے

غم سے رؤف آزاد رہے گا تو ہر لحظہ شاد رہے گا
پڑھ جو کہیں سُن پائے محمد "صلی اللہ علیہ وسلم"

ان کا عقیدہ ہے کہ ہر درد کی دوا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ وہی درد ہیں وہی دوا ہیں

تم ہی تو میرے درد کے اِک چارہ ساز ہو
پھر تم کو حالِ دل نہ سناؤں تو کیا کروں

ہو جس دل میں نبیؐ کا دردِ اُلفت
رؤف اس کو ضرورت کیا دوا کی

مریضِ دردِ الفت ہے مریضِ دردِ اُلفت ہے
رؤفِ زار کو کہتے ہیں اکثر دیکھنے والے

کیا فکر کھا رہی ہے اب اے رؤف تجھ کو
تیرے تو ہر مرض کا درمان ہیں محمدؐ

جس کے دل میں خدا اور اس کا محبوب ہو واقعی اس کے لئے پھر کسی

کی ضرورت نہیں رہتی اور رؤف صاحب کو یہ نعمت حاصل ہو چکی ہے

محبوب کے دیدار کی خواہش عاشق کے دل کی تمنا بن جاتی ہے وہ فراق کی راتوں کو وصال کی سحر میں تبدیل کرنے کی آرزو رکھتا ہے اور کہتا ہے

غمِ فراق کے مارے ہوؤں میں ہم بھی ہیں
ہماری شامِ جدائی کی بھی سحر ہو جائے

ہو اس طرف بھی اِک نگہِ لطف یا نبیؐ
اِک دن شبِ فراق کی ہم بھی سحر کریں

ذوقِ عشقِ نبیؐ جس قدر شدت اختیار کرتا ہے اسی قدر عاشق اپنی عاجزی اور انکساری بیان کرتا ہے۔

محبت کا تمھاری ظرف میں رکھتا نہیں لیکن
مری حسرت مرا ارمان میرا مدّعا تم ہو

رؤف صاحب اپنے آپ کو گلزارِ مدینہ کا بُلبل بتاتے ہیں اور بجز نعت سرائی وہ شعر نہیں لکھتے ؎

لکھتا نہیں سوا مدحتِ سرکارِ مدینہ
بُلبل ہوں چمن ہے مرا گلزارِ مدینہ

گلزارِ مدینہ کا بُلبل ہندوستان میں چہچہاتا ہے اور ہجرِ گلِ مدینہ میں سینہ فگار ہے

کیوں کر ہو مداوائے رؤفِ جگر افگار
یہ ہند میں آپ انجمن آرائے مدینہ

اور اس بلبل کی بے کسی یہ ہے کہ بے بال و پر ہے ہمصفیر سوئے مدینہ جا رہے ہیں لیکن اس کو بے بال و پر جان کر چھوڑے جاتے ہیں رؤفِ زار کی بے کسی ملاحظہ ہو

طائرِ دل کی بے کسی بڑھ گئی حد سے یا نبیؐ
چھوڑ گئے ہیں ہم نوا بے پر و بال دیکھ کر

شاعر اپنا پیغام اُردو شاعروں کے روایتی انداز میں پہنچانا چاہتا ہے لیکن عالم یہ ہے کہ ؎

بادِ صبا شریک نہ ہمدرد نامہ بر
کیوں کر ہم اپنے حال کی تم کو خبر کریں

شاعر کی بے کسی صبا سے دیکھی نہیں جاتی آخر ترس کھا کر پیغام لے جانے کو تیار ہو جاتی ہے شاعر سے کہتی ہے اگر موقع ملا تو طیبہ کی طرف بھی چلی جاؤں گی تمھیں جو کچھ کہنا ہے جلدی کہو۔ شاعر کہتا ہے ؎

سوئے طیبہ ہو جو گزر صبا تو ادب سے کرنا یہ التجا
کہ رؤف ہجر میں مر مٹا ہو نگاہِ لطف ذرا نبیؐ

اور ——————

صبا کچھ ایسی بے تابی دکھانا وہ بلوا لیں مجھے ہندوستاں سے

صرف اتنا عرض کرنا اُن سے اے بادِ صبا
بارِ فرقت اب نہیں اُٹھتا رُوفِ زار سے

میری طرف سے صبا کیجیو یہ التجا
میں بھی کسی دن شہا حاضرِ دربار ہوں

شاعر کو خیال آتا ہے کہ میں صبا کے کاندھوں پر کیوں نہ چلا جاؤں میری بساط ایک مشتِ خاک ہی تو ہے چناں چہ صبا سے التجا کرتا ہے ؎

اک مشتِ خاک ہوں مجھے للّٰہ اے صبا
لے چل اُڑا کے کوچۂ دلدار کی طرف

لیکن صبا صرف پیغام لے جاتی ہے اور پھر کہ جب مدینہ سے آتی ہے اُس وقت کا منظر، اُس وقت کی کیفیت، اُس وقت کی تڑپ اس شعر میں کس خوبی سے بیان کی ہے ؎

اک آہ نکلتی ہے بے ساختہ سینہ سے
جب بادِ صبا پھر کر آتی ہے مدینہ سے

کس قدر تڑپ، جذبہ، سادگی، سلاست، روانی، جوش اور سچائی کے ساتھ ساتھ ایک بے کسی اور ابہام اس شعر میں ہے۔ شاعر نے کن کن منتوں اور خوشامدوں سے صبا کو پیغام لے جانے کے لئے تیار کیا تھا اور جب تک صبا واپس نہیں آئی

تھی کس قدر بے چینی سے وقت گزارا تھا مگر صبا کے واپس آنے کے بعد کی کیفیت اس شعر سے ظاہر ہے بے ساختہ آہ کا سینہ سے نکلنا کس بات کی دلیل ہے کیا صبا دربار تک نہ پہنچ سکی ہے؟ کیا محبوب صبا کو نہیں ملا؟ کیا صبا کو کوئی جواب نہیں دیا؟ کیا جواب منفی میں دیا؟ اس قسم کے کتنے ہی مفہوم پیدا ہو سکتے ہیں اور یہی ابہام شعر کی جان بن گیا ہے۔ گویا ایک داستان بیان کر دی ہے۔ صبا جو قاصد تھی اس کی بات سُن کر شاعر نے قاصد سے کہا ؎

وہ ترس کھا کے مدینے مجھے بلوا لیتے
قاصد اس طرح میرا حالِ سُنایا ہوتا

یعنی محبوب کی خو ترس کھانا ہے کمی قاصد کی ہے کہ وہ حال اچھی طرح بیان نہ کر سکا گویا محبوب کا ترس کھا کر بلوا لینا یقینی امر تھا اگر قاصد کی کوتاہی یہاں نہ ہوتی۔ کس قدر سادہ اور کتنا بہترین شعر ہے۔ سبحان اللہ رؤف صاحب کے کلام میں مدینہ دیکھنے کی آرزو ہے بارگاہِ رسالت مآب میں حاضری کا جذبہ جس شدت کے ساتھ نظر آتا ہے اس سے ظاہر ہے کہ رؤف صاحب نے اپنی زندگی اور موت کا مقصد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو مانا ہے اور محبوب خدا کو اپنا محبوب مان کر ان کو حاصل کرنے کی سعی پیہم کی ہے۔ رؤف صاحب کی تمام شاعری کا مرکز محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آستانہ مبارک پر حاضری اور مدینہ منورہ کی زیارت کی تمنا ہے۔ ملٹن کے قول کے مطابق "شعر کی خوبی یہ ہے کہ سادہ ہو جوش

سے بھرا ہوا ہو اور اصلیت پر مبنی ہو"۔ شعر جذبات کا آئینہ دار ہوتا ہے اس لئے تاثیر میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔ بقول مولانا حالی "شعر کی تاثیر کا کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا۔ سامعین کو اس سے حزن یا نشاط یا جوش یا افسردگی کم یا زیادہ ضرور پیدا ہوتی ہے"۔ چناں چہ رؤف صاحب کے یہاں سادگی، جوش اور اصلیت تینوں خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ ان کا ہر شعر ان کے جذبات کی ترجمانی کرتا ہے اس لئے پُرتاثیر ہے۔ وہ مدینہ جانے کے لئے اس قدر بے چینی اور بے تابی دکھاتے ہیں اور مدینہ جانے کی خواہش کو کس کس انداز سے نظم کرتے ہیں۔ چند شعر ملاحظہ ہوں ؎

رؤفِ خستہ جاں کو بھی مدینہ میں بُلا لیجئے
یہاں دم ہے لبوں پر آپ کے بیمارِ اُلفت کا

زمانے کو حضرت مدینہ بُلا یا
میرے حال پر بھی ترس کھایئے گا

ذرا اے ماہِ تابانِ مدینہ
دکھادے جلوۂ شانِ مدینہ
یہ حسرت ہے کبھی تو زندگی میں

کردوں سیرِ گلستانِ مدینہ

آپ کے لطف سے لاکھوں نے مدینہ دیکھا
اور میرے لئے اب تک کوئی ساماں نہ ہوا

اے جانِ عرب جانِ عجم جانِ مدینہ
مدت سے ان آنکھوں کو ارمانِ مدینہ

میرے مولا مجھے آنکھیں جو عنایت کی تھیں
اپنے محبوب کا روضہ بھی دکھایا ہوتا

رؤفِ زار کی بھی عرض سُن لو
ہے ایک مدت سے ارمانِ مدینہ

یا نبیؐ آپ کی زیارت کو
کیا دلِ زار عمر بھر ترسے

Scanned by CamScanner

یہ سوچ کر ہی مدینہ مجھے بُلا لیتے
کہ خار کی بھی ضرورت ہے گلستاں کے لئے

اے کاش کبھی یوں بھی ہوتا وہ یاد ہمیں بھی فرماتے
اور ہم بھی کبھی طیبہ جاتے رہ رہ کے یہ حسرت ہوتی ہے

میری حسرت بھی ہو پوری یا نبیؐ
میں بھی حاضر ہوں کبھی دربار میں

اب سوائے حسرتِ دیدار کے
کچھ نہیں باقی رؤفؔ زار میں

ان اشعار میں مدینہ جانے کی حسرت کا بیان کس کس انداز سے کیا ہے۔ یہ حسرت جب ناامیدی میں تبدیل ہو جاتی ہے تو انسان کو یاس میں مبتلا کر دیتی ہے اور دل و دماغ پر قنوطیت طاری ہونے لگتی ہے لیکن رؤف صاحب قنوطی شاعر نہیں ہیں انھیں واقعی طور پر محبوب کے دیدار اور اس کی فرقت کا غم ہے انھیں اپنے ذوق میں کمی اور دُعاؤں میں اثر کا نہ ہونا محسوس ہو رہا ہے لیکن اس کو وہ اپنے مقدر کی کھوٹ سمجھ رہے ہیں۔

Scanned by CamScanner

یہ صرف میرے مقدر کی کھوٹ ہے ورنہ
درِ نبیؐ پہ تو ہر خاص و عام آتا ہے

کِس دن وہ آئیں دیکھنے حالِ مریضِ غم
کب دیکھئے رؤف کے نالے اثر کریں

اس حسرت اور یاس نے شدت اختیار کرلی کشتی دل ناشاد غرق ہونے والی تھی کہ مردِ مومن کے ذہن کو لاتقنطوا نے منور کردیا اور وہ کہہ اُٹھے۔

غرق ہونے ہی کو تھی کشتی دل ناشاد کی
مژدۂ لاتقنطوا سے پار بیڑا ہوگیا

اور اس یقین نے کہ

جائیں گے رؤف آپ مدینہ کو یقیناً
ہونا ہے مقدر میں جو مہمانِ مدینہ

حسرت و یاس کی تاریکی کو یقین کی روشنی نے منور کردیا انھیں اس کا احساس ہوگیا کہ اس دیر میں لُطفِ خاص پنہاں ہے۔

مجھے تو اس سے لُطف خاص کے آثار ملتے ہیں
بھری محفل سے ساقی صرف مَیں ہی تشنہ کام آیا

یعنی ساقیٔ کوثر نے مخصوص طریقہ سے سیر کرنے کا اشارہ کیا ہے یہ ایمان

کی پختگی اور یقین کی کرشمہ سازی ہے وہ ساقی سے کہتے ہیں

کیا تجھے گوارا ہے تیری بزم سے ساقی
اک رؤف ہی تنہا تشنہ کام آجائے

اور اس کے بعد خدا سے یوں دعا کی ؎

مدینے جا کے میں بھی روضۂ اقدس کے بوسے لوں
الٰہی غیب سے ہو جائے سامانِ سفر پیدا

خدا کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں اپنی تمنا کا اظہار کرتے ہیں ؎

آپ کے مدِ نظر ہوتا تو اے فخرِ رُسل
روضۂ اقدس مدینے ہم بھی جا کر دیکھتے
جالیوں کو تھام کر کچھ ہم بھی کرتے عرضِ حال
ہم بھی اپنا بخت اِک دن آزما کر دیکھتے
دیکھتے جس جس طریقے سے بھی ہو سکتا رؤف
دُور جا کر دیکھتے نزدیک آ کر دیکھتے

اپنی فرقت میں اتنا نہ تڑپایئے آیئے آپ یا اِس کو بُلوایئے

ہو رؤف آپ پر جان و دل سے فدا سرورِ انبیا سرورِ انبیاء

شاعر ناتوان اور کمزور ہے لیکن وہ خدا سے کہتا ہے ؎

یہ جسمِ زار کیا اے قادرِ مطلق تیرے ہوتے
مدینہ تک پہنچ جانے کے قابل ہو نہیں سکتا

دعائیں وہی قبول ہوتی ہیں جو دل سے مانگی جائیں جن میں اصلیت ہو، جذبہ ہو، تڑپ ہو۔ رؤف صاحب عشق کے تمام مدارج آہستہ آہستہ طے کرتے منزل کی طرف گامزن ہوتے رہے۔ تمنا، حسرت، ارمان سبھی ساتھ رہے۔ غالب نے کہا تھا ؎

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یارب
ہم نے دشتِ امکاں کو ایک نقشِ پا پایا

اس سفر میں غالب نے صرف امکان کو تمنا کا ایک قدم بتا کر دوسرا قدم رکھنے کی زحمت سے اپنے آپ کو تو بچا لیا لیکن وہ حیرانی کے عالم میں رہ گئے۔ حضرت رؤف مقیمین کے ساتھ قدم بہ قدم منزل کی طرف بڑھتے ہیں اور کس حسرت سے کہتے ہیں ؎

اب قدم نہیں اُٹھتے راہِ عشق میں یارب
اب تو جس کی حسرت ہے وہ مقام آجائے

یہ شعر کس قدر واقعاتی ہے۔ مسافر تھک چکا ہے لیکن ہمت کے ساتھ برابر آگے بڑھ رہا ہے۔ تکان قدم نہیں اٹھانے دیتی۔ خدا سے منزل کی دعا مانگی جاتی ہے اور وردِ زباں ہے ؎

مریض ہجر کو صورت ذرا دکھا دیجئے
لبوں پر آپ کا رہ رہ کے نام آتا ہے
میں حاضری کے شرف سے ہوں آج تک محروم
پیام آپ کا دنیا کے نام آتا ہے

دُعاؤں میں اثر پیدا ہوا اور آخر رؤف کا جذبہ بے اختیار بقول ان کے استاد حضرت جگرؔ ؎

کام آخر جذبۂ بے اختیار آ ہی گیا
دل کچھ اس صورت سے تڑپا انکو پیار آ ہی گیا

اور ۲۷ ستمبر ۱۹۷۷ء کا وہ دن ایک تاریخی حیثیت سے نعت گوئی کی تاریخ میں ہمیشہ یاد آتا رہے گا جب حضرت رؤف امروہوی عاشق و شاعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طلبی احمد مختارؐ نے اپنے دربار میں کر ہی لی جس کی تفصیل حضرت رؤف صاحب کی خود نوشت سوانح "اپنی زباں سے میں" میں موجود ہے۔ اللہ اللہ ان کے کلام نے انھیں کس مقام پر پہنچا دیا۔

حضرت رؤف صاحب کو نعت سرائی کی بدولت حج بیت اللہ اور روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہ نعت گوئی کا ایک ایسا صلہ ہے جو کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت سعدیؒ کو اپنی صرف ایک رباعی کی بدولت قرب محمد صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہے

تو اس میں بھی کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ رؤف صاحب کا کلام مقبول بارگاہِ رسالت مآبؐ ہو چکا ہے اور انھوں نے جس مقصد کے لئے نعت سرائی کی وہ حاصل کر چکے ہیں۔ اگر نعت گوئی ایک فن ہے تو اس میں دو رائے نہیں ہو سکتیں کہ حضرت رؤف امروہوی کے تین دیوان شائع ہو کر عوام کی نظروں میں عزت و احترام کے ساتھ مقبول ہو کر عقیدت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں اور یہ سب نگاہِ حضرت محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کرم کی بدولت ہوا ہے ؎

ان پر درود جن کے کرم کی نگاہ نے
تم کو رؤف صاحبِ دیواں بنا دیا

محمد شوحسین رضوی
لیکچرر امام المدارس امروہہ

خانوادۂ رؤف امروہوی

الحاج حافظ عبدالرؤف صاحب رؤف امروہوی ۱۸۹۴ء میں امروہہ میں منصۂ شہود پر آئے۔ آپ کے والد کا نام مرزا شفیع اللہ بیگ تھا آپ نے ابتدائی تعلیم امام المدارس میں حاصل کی ۱۹۱۵ء میں انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۲۰ء میں امام المدارس میں ملازمت کا آغاز کر کے ۱۹۵۹ء میں نہایت عزت اور وقار کے ساتھ سبکدوش ہوئے ۱۹۷۷ء میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے

رؤف صاحب کو پیدائشی شاعر کہنا مبالغہ نہیں ہے۔ نعت گوئی میں جو کمال آپ کو حاصل ہے اس کے پیش نظر یہ کہنا صحیح ہوگا کہ بارگاہِ ایزدی سے یہ ہنر آپ کو بطور خاص ودیعت ہوا ہے۔

رؤف صاحب نے چار شادیاں کیں لیکن ہر بار رفیقۂ حیات کے داغ مفارقت دینے کے بعد! پہلی اور دوسری بیوی نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی

تیسری بیوی نے دو لڑکے اپنی یادگار چھوڑے۔ پہلے محمد حسین صاحب تھے۔ جنھوں نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے بی اے کیا۔ تقسیم ملک کے وقت پاکستان چلے گئے تھے وہاں ۱۹۸۰ء میں بعمر چوبیس سال انتقال ہوگیا دوسرے احمد حسین صاحب ہیں۔ پورا نام مرزا احمد حسین سیفی امروہوی ہے۔ آپ کی ولادت ۱۹۳۱ء میں ہوئی۔ آپ نے امام المدارس امروہہ سے ہائی اسکول کرنے کے بعد ایم۔ ڈی۔ ایچ اور ایم۔ بی۔ بی۔ ایس کی سندات حاصل کیں اور ہومیوپیتھی کے معالج کی حیثیت سے زندگی کا آغاز کیا۔ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ ۱۹۵۱ء میں آپ کی شادی امروہہ کے مشہور معالج اور معروف شاعر جناب حکیم کلب علی شاہد امروہوی کی بہن سے ہوئی۔ آپ کے صاحبزادے کا نام زبیر ابن سیفی ہے۔

سیفی امروہوی کو شاعری وراثتاً ملی ہے۔ آپ ایک اعلیٰ پایہ کے غزل گو ہیں۔ "لہو رنگ" آپ کی غزلیات کا مجموعہ ہے جو مئی ۱۹۸۰ء میں زیر اہتمام انجمن ترقی اردو (امروہہ) اشاعت پذیر ہوا اور جس کو اتر پردیش اردو اکاڈیمی لکھنؤ نے نقد انعام سے نوازا۔ مولانا امتیاز علی خاں عرشی نے سیفی صاحب کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ غزل کے مزاج کو برتنے کا اچھا سلیقہ رکھتے ہیں۔ حضرت رئیس امروہوی کا تجزیہ ہے کہ سیفی کے یہاں روایت کو ضعف پہنچائے بغیر جدتِ اظہار اور جدتِ افکار پائی جاتی ہے۔ ڈاکٹر

امام مرتضیٰ نقوی نے تحریر کیا ہے کہ سیفی کا کلام ایک دردمند انسان کی آواز ہے جسے شدت احساس نے فریاد بننے پر مجبور کر دیا ہے۔ جناب سیفی امروہوی کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

ضبط، ایثار، وفا، مہر، مروت، اخلاص
میں ہوں مقتل میں اکیلا مرے قاتل کتنے!

دیوانہ تو دیوانہ ہے، دیوانے کی باتیں کیا
دیوانے ہیں، دیوانے کو آئے جو سمجھانے لوگ

ضبط گریہ کے مراحل بھی ہیں دو بھر کتنے
پینے پڑتے ہیں ان آنکھوں کو سمندر کتنے

تری نگاہ نے محفل میں دفعتاً اٹھ کر
کسی کا حال بگاڑا، کسی کا مستقبل

غزل کے علاوہ نعت گوئی میں بھی اشہبِ قلم کی جولانیاں دکھائی ہیں۔ آپ کا مجموعۂ نعت و مناقب بعنوان "نکہتیں" مرتب ہو چکا ہے۔ ذیل کی نعت سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ سیفی صاحب کی شعری صلاحیتوں کو نعت گوئی کے میدان میں بھی بہت اچھی طرح ابھرنے کا موقع ملا ہے :-

جمالِ یزداں بھی جلوہ گستر نہ تھا رخِ مصطفیٰؐ سے پہلے
خدا کے جلوے بھی اوٹ میں تھے وجودِ جلوہ نما سے پہلے

انھیں کو تخلیقِ اوّلیں کا شرف ہے کون و مکاں میں حاصل
سوائے خالق کے کچھ نہیں تھا محمد مصطفیٰؐ سے پہلے

Scanned by CamScanner

یہ ابتدا کیسی ابتدا ہے، یہ انتہا کیسی انتہا ہے
حضورؐ ہیں انتہائے امکاں، مگر ہر اک ابتدا سے پہلے

یہ میری دنیا، یہ میری عقبیٰ، بنیں نہ اک سلسلہ غموں کا
متاعِ دیدار ہو میسر مجھے پیامِ قضا سے پہلے

خدا ہے غفّار اور آقا شفیعِ محشر، تمام رحمت
سنا ہی دیں گے جزا کا مژدہ ہمیں وہ حکمِ سزا سے پہلے

سوائے صدیقؓ کے نبیؐ نے کسے دیا منصبِ امامت
شرف نیابت کا کس نے پایا ہے اُس سراپا وفا سے پہلے

عمرؓ کی جرأت نے نصرتوں کے تمام ہی باب کھول ڈالے
نہیں تو یہ دین سست رو تھا، عمرؓ کے زورِ صدا سے پہلے

انھیں کی دولت نے دینِ حق کی قدم قدم پر معاونت کی
جنابِ عثمانؓ کی فضیلت کو پوچھیے مصطفیٰؐ سے پہلے

حمایتِ دینِ حق کا اعزاز کم سنی میں کسے ملا ہے؟
نبیؐ کی ہمت بندھانے والا تھا کون شیرِ خداؓ سے پہلے

وجودِ نورِ نبیؐ نتیجہ ارادۂ کبریا کا یقیناً
نہ جانے یہ نور کیا رہا تھا ارادۂ کبریا سے پہلے

حافظ عبدالرؤف صاحب کی چوتھی شادی ۱۹۳۳ء میں ہوئی ان کی یہ

زوجہ بے حد خلیق و ملنسار تھیں۔ ہمدردی اور بردباری ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ بھی رؤف صاحب کی زندگی میں ہی ۱۹۸۱ء میں اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ ان کی یادگار تین لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں۔ بڑے لڑکے حامد حسین حامد امروہوی ہیں۔ ۲۰ جنوری ۱۹۳۶ء کو تولد ہوئے۔ امام المدارس ۱۹۵۲ء میں ہائی اسکول پاس کیا۔ جامعہ اردو علی گڑھ سے ادیب ماہر اور ادیب کامل کی سندات بھی حاصل کیں ڈیولپمنٹ سوسائٹی امروہہ میں ملازمت کا آغاز کیا۔ کافی عرصہ تک یہاں رہنے کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے غیر تدریسی عملہ میں شامل ہوگئے۔ حساب کتاب میں ماہر ہیں۔ نعت خوانی بھی خوب کرتے ہیں ۱۹۵۹ء میں آپ کی شادی جناب سردار احمد خاں صاحب مرحوم ریٹائرڈ ایگزیکٹو آفیسر میونسپل بورڈ امروہہ کی صاحبزادی کے ساتھ ہوئی۔ دو لڑکے عالم مرزا سلمہٗ، بابر مرزا سلمہٗ اور تین لڑکیاں ہیں۔ دو لڑکیوں کی شادیوں کے فرض سے بھی سبک دوش ہو چکے ہیں۔ جناب رؤف کی آغوش تربیت نے حامد امروہوی میں بھی نعت گوئی کا میلان پیدا کیا۔ ان کی ایک نعت ملاحظہ ہو ؎

شاہانِ زمانہ کا مقام اپنی جگہ ہے
سرکارِ دو عالم کا غلام اپنی جگہ ہے

چلنے کو تو چلتی ہے نسیمِ سحری بھی
پھر آپؐ کا اندازِ خرام اپنی جگہ ہے

ان کے رخِ روشن سے نہیں کوئی بھی نسبت
وہ اپنی جگہ ماہِ تمام اپنی جگہ ہے

بدلے ہیں زمانے نے بہت ساغر و مینا
لیکن مے توحید کا جام اپنی جگہ ہے

ہر آن بدلتی ہے خرد نظمِ سیاست — سرکارؐ جو لائے وہ نظام اپنی جگہ ہے
یہ گردشِ دوراں کے دبائے نہ دبے گا — جو تمؐ نے دیا ہے وہ پیام اپنی جگہ ہے
یوں آنے کو آئے ہیں نبی اور بھی لیکن — حامد میرے آقا کا مقام اپنی جگہ ہے

حضرت رؤف کے چوتھے صاحبزادے رفیق کار مرزا ساجد حسین ساجد امروہوی ہیں آپ کی ولادت ۱۸ر جنوری ۱۹۴۳ء کو ہوئی۔ ابتدائی تعلیم امام المدارس میں حاصل کی۔ حساب و سائنس کے طالب علم رہے۔ اب استاد ہیں۔ بی۔ ایس۔ سی۔ بی ایڈ کر کے پیشۂ معلمی اختیار کیا اور ایس۔ ڈی۔ انٹر کالج۔ کانٹھ میں مدرس مقرر ہوئے۔ بعدہ ۱۹۶۶ء میں امام المدارس امروہہ سے وابستہ ہو گئے۔ آپ کی شادی جناب حبیب الرحمٰن خاں صاحب کی لڑکی سے ہوئی۔ لڑکے خسرو مرزا سلمہٗ اور خضر مرزا سلمہٗ ہیں۔ لڑکی حنا ساجد سلمہا ہے۔ شعر و شاعری کے ماحول میں آنکھ کھولی۔ توارث اور ماحول دونوں سے شعر و سخن کا طبعی رجحان ملا۔ چناں چہ شعر گوئی کی فطری صلاحیتوں کو ابھرنے کا موقع ملا۔ اپنے والد کی طرح نعت گوئی اور غزل گوئی دونوں میں طبع آزمائی کرتے ہیں کبھی کبھی نظم بھی کہتے ہیں۔ کالج کے لئے ایک بہت اچھے ترانے کی تخلیق بھی کی ہے۔ نعت و مناقب کا مجموعہ مرتب ہو چکا ہے۔ نعت ہو یا غزل، ترانہ ہو یا نظم ہر چیز بے حد خوش الحانی سے پڑھتے ہیں۔ ایک نعت بطور نمونہ پیش ہے ؎

اسیرِ عشقِ رسالت مآبؐ کوئی نہیں — اگر ہے کوئی تو اس کا جواب کوئی نہیں

وہ جاہلوں کو معلم کریں گداؤں کو شاہ
جہاں میں اس سے بڑا انقلاب کوئی نہیں

غلام کہہ کے پکاریں مجھے مرے آقا
بڑا مرے لئے اس سے خطاب کوئی نہیں

بس آپ ہی کو کیا سرفرازِ محبوبی
خدا کا اس سے حسیں انتخاب کوئی نہیں

مرے گناہ تو گنتی میں ہیں فرشتوں کی
مگر تمہارے کرم کا حساب کوئی نہیں

بغیر ان کے وسیلے کے مانگتے ہو تو پھر
یہ مت کہو کہ دعا مستجاب کوئی نہیں

نبیؐ کی شان گھٹانے میں سیکڑوں کم علم
لگے ہوئے ہیں مگر کامیاب کوئی نہیں

جو ان کی رحمت بیکس پناہ ساتھ نہ دے
تو پھر ترا دلِ خانہ خراب کوئی نہیں

نہیں ہے دل میں اگر عشقِ مصطفیٰؐ ساجد
عمل ہوں کیسے ہی اعلیٰ ثواب کوئی نہیں

حافظ صاحب کے پانچویں فرزند آصف حسین سلمہٗ ہیں۔ آپ کی پیدائش دسمبر ۱۹۴۸ء میں ہوئی۔ ۱۹۶۲ء میں امام المدارس سے ہائی اسکول پاس کیا انٹر کرنے کے بعد سول انجینئرنگ کا ڈپلوما حاصل کیا۔ کچھ دنوں تک میونسپل بورڈ امروہہ میں جونیئر انجینئر رہے۔ اسی دوران فرسٹ ڈویژن میں بی اے پاس کیا۔ گھر کے ادبی ماحول نے انگریزی ادب کی جانب متوجہ کیا۔ چنانچہ ایم اے (انگریزی) کے امتحان میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ جونیئر انجینئر کا کام مزاج کے مطابق نہ ہونے کے باعث درس و تدریس کا پیشہ اختیار کیا آج کل گورنمنٹ ڈگری کالج۔ کاشی پور میں انگریزی کے لیکچرر ہیں ہاکی کے

مشہور کھلاڑی جناب صولت حسین صاحب مرحوم کی صاحبزادی سے ۱۹۷۱ء میں رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوئے۔ اولاد میں کاشف مرزا سلمہٗ کے علاوہ ایک دختر بھی ہے۔

الحاج رؤف صاحب کو خداوندِ عالم نے تین لڑکیوں سے نوازا۔ بڑی صاحبزادی حامدہ بیگم صاحبہ سنبھل کے نواب زادہ خالد حسین خاں صاحب سے منسوب ہوئی تھیں۔ ۱۹۸۵ء میں ان کا انتقال ہوگیا۔ ایک لڑکا اطہر خالد اور تین لڑکیاں یاسمین، نگار اور شاطان کی یادگار ہیں۔ منجھلی دختر ساجدہ بیگم صاحبہ کی شادی خورشید احمد صاحب کے ساتھ ہوئی تھی وہ مسلم یونیورسٹی میں ملازم تھے۔ جوان العمری میں داغِ مفارقت دے گئے۔ پس ماندگان میں ساجدہ بیگم صاحبہ کے علاوہ تین لڑکے انور خورشید صاحب سلمہٗ لیکچرر مسلم یونیورسٹی اکرام خورشید سلمہٗ، عدنان خورشید سلمہٗ ہیں۔ دختر ریشماں خورشید کی شادی ڈاکٹر شاہ عالم صاحب سلمہٗ کے ساتھ ہوئی ہے۔ حافظ صاحب کی تیسری بیٹی تائبہ بیگم صاحبہ عرف تبو سلمہا ہیں جو شجاع الرحمٰن صاحب سے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہیں انھیں خداوندِ عالم نے دو لڑکیوں سے نوازا ہے۔

کتبہ

حکیم حافظ محمد یونس اعجاز رقم طبیب امروہی

۱۹۸۶ء

مولوی حکیم حافظ قاری محمد یونس صدیقی
بانی و مہتمم ادارہ نور المعارف امروہہ

تصانیفِ رؤف امروہوی

حضرت رؤف امروہوی گذشتہ ستر سال سے میدانِ شاعری کے شہسوار ہیں۔ اب آپ کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں ہے۔ نعت گوئی میں آپ کو جو کمال حاصل ہے وہ شمالی ہندوستان کے کسی دوسرے شاعر کے حصہ میں نہیں آیا۔ آپ کا پہلا مجموعۂ کلام 'لختِ محامد' کے نام سے ۱۹۳۹ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ یہ کلام نعت و مناقب کا مجموعہ ہے۔ یہ مجموعہ اس قدر مقبول ہوا کہ ۱۹۶۶ء میں اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کرنا پڑا۔ دوسرے ایڈیشن میں سات نعتیہ نظموں کا اضافہ کیا گیا ہے اور گذشتہ ایڈیشن کے کچھ اشعار کو حذف اور کچھ میں ترمیم کی گئی ہے۔ بقول رؤف امروہوی ——

ان نقوشِ دل کو سپردِ قرطاس کرنے کا مقصد سرمایۂ نجاتِ آخرت بہم پہنچانا اور اہلِ دل کی دعائیں حاصل کرنے کے لئے

ایک سعادت آمیز یادگار چھوڑ جانا ہے اور بس ؎

غرض نقیست کز ما یاد ماند
کہ ہستی را نمی بینم بقائے

نعت گوئی حضرت رؤف کا دن رات کا مشغلہ ہے۔ چناں چہ الحاج حضرت مولانا نسیم احمد فریدی صاحب امروہوی مدظلہ العالی نے آپ کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ کلام رؤف از دل خیزد بر دل ریزد کا پورا پورا مصداق ہے۔ واقعی ؎

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

رؤف امروہوی کے کلام بلاغت نظام کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ ان کے اشعار دل میں اترتے چلے جاتے ہیں۔ میرے دادا جناب صوفی محمد مسیح اللہ نقشبندی چشتی صابری قدوسی رحمۃ اللہ علیہ یوں تو جناب رؤف کے سارے نعتیہ کلام کے معترف تھے۔ البتہ ذیل کی نعت اپنے شاعرانہ محاسن کے باعث انھیں بے حد پسند تھی۔ بقول حضرت رؤف امروہوی انہی کی فرمائش پر یہ نعت شریف لکھی تھی۔ دادا صاحب رات کو ایک بجے کے بعد وجدانی کیفیت میں پڑھا کرتے تھے۔ احقر بھی اس نعت کو بے حد پسند کرتا ہے اور اچھے نعت خوانوں سے سن کر وجد و کیف میں ڈوبتا ہے۔ اس کے کئی شعروں میں صنعت ترصیع ہے۔ ملاحظہ ہو ؎

تم انیسِ بے کس و بے نوا، میں اسیرِ دامِ بلا نبیؐ
ذرا سُن لو میری بھی التجا، ہوں تمھارے در کا گدا نبیؐ

میرے پاس کوئی عمل نہیں، کسی معصیت کا بدل نہیں
فقط اپنے لُطف سے کیجئے، میرے دردِ دل کی دوا نبیؐ

اگر آپ سے نہ کروں بیاں، تو سُناؤں کس کو یہ داستاں
سرِ حشر آپ کی ذات ہی، ہے شفیعِ روزِ جزا نبیؐ

میرے سر پہ بارِ گناہ ہے، میں ضعیف دُور کی راہ ہے
ذرا دستِ لُطف بڑھائیے، میں گرا نبیؐ میں گرا نبیؐ

میری عمر ختم ہوئی مگر، شبِ ہجر کی نہ ہوئی سحر
کبھی ہو کے سامنے جلوہ گر، مرا حالِ دل نہ سُنا نبیؐ

کسی دن جواب سلام سے، کسی روز لُطفِ کلام سے
کبھی اپنے وصل کے جام سے، مجھے شاد کیجئے یا نبیؐ

سوئے طیبہ ہو جو گذر صبا، تو ادب سے کرنا یہ التجا
کہ رؤفؔ ہجر میں مر مٹا، ہو نگاہِ لُطف ذرا نبیؐ

جناب رؤفؔ کا کلام سادہ اور سلیس ہے اس میں نہ تکلف ہے اور نہ تصنّع، وہ اپنے دلی جذبات کا اظہار زبانِ شعر میں کرتے ہیں۔ چوں کہ ان کے یہاں عقیدت مندانہ ادب و احترام کی فراوانی ہے۔ اس لئے ان کے کلام میں ایک ایسا

والہانہ پن پایا جاتا ہے جو ہر خاص و عام کے دل و دماغ پر اثر کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ نعتیہ کلام غیر معمولی طور پر مقبول و معروف ہے۔ خلفۂ محامدؐ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

تقصیر، خطا، بھول تو عادت ہے ہماری — اور عفو و کرم کام ہے سرکار تمہارا

دمِ واپسیں میری بالیں پہ آقا — ذرا آپؐ تکلیف فرمایئے گا

کروں کیا پیش اے نازِ رسالت — ترے قابل نہیں نذرانہ دل کا
مزہ لیتا رہے دل چپکے چپکے — کسی پر راز ہو افشانہ دل کا

جو اُن کی آل و صحابہؓ سے رکھتا ہے رغم — وہ بزم گاہِ رسالتؐ سے فیضیاب نہیں

شبِ معراج کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ؎

مختصر یہ ہے کہ خالق نے محمدؐ کو رؤف — جو کسی کو نہ دیا تھا وہ دیا آج کی رات

غلماں بھی لو خدمت کے لئے خلدِ بریں بھی — محبوب کی زلفوں کا ہے سودا شبِ معراج

رسول اقدسؐ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد صحابہ کرامؓ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے دریافت فرمایا کہ کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

کے عادات وخصائل کے بارے میں بیان فرمائیے۔ اسی کو رؤف امروہوی لطیف انداز میں بیان فرماتے ہیں ؎

سارا قرآن پاک سرتاسر
نعتِ خیرالوریٰ کی باتیں ہیں

ایک دوسرا واقعاتی شعر ہے ؎

مُزمّل و مُدثر انھیں کہہ کے پکارا محبوب سے ہوتی ہیں عجب پیار کی باتیں

حضرت رؤف امروہوی کے نزدیک عشقِ رسولؐ کا دم بھرنے والے مسلمان کا دلی تعلق جب تک خلفائے راشدین سے نہ ہو اس وقت تک محبت و عقیدت کی تکمیل ممکن نہیں۔ فرماتے ہیں ؎

نبیؐ کے بعد ہر مسلم کو رکھنی چاہیئے الفت
علیؓ، عثمانؓ، عمرؓ جانِ وفا صدیقِ اکبرؓ سے

کتنے بیباکانہ انداز سے فرماتے ہیں ؎

علیؓ سے علم لو حلم و حیا عثمانؓ سے سیکھو
عمرؓ سے عدل لو صدق و صفا صدیقِ اکبرؓ سے

رؤف صاحب سرکارِ طیبہ کی غلامی کے بارے میں کیا فرماتے ہیں ؎

جسے ارمان ہو سرکارِ طیبہ کی غلامی کا
کرے آکر وہ پہلے مشورہ صدیقِ اکبرؓ سے

Scanned by CamScanner

حضرت رؤف ام وہوی غار ثور میں رسولِ اقدسؐ کے ارشاد گرامی کا کس انداز سے ذکر کرتے ہیں ؎

ہوا غار میں حکم شاہِ نبوت — کہ ہرگز نہ گھبرائے صدیقِ اکبرؓ
ہے قرآن میں ذکر اس واقعہ کا — زہے شان والائے صدیقِ اکبرؓ

صدیق اکبرؓ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد پہلو نبیؐ میں رہنے کا ذکر عجیب انداز سے کرتے ہیں ؎

ہے مدفن جلوہ گاہِ مصطفےٰ صدیقِ اکبرؓ کا
سمجھ ہو تو سمجھ لو مرتبہ صدیقِ اکبرؓ کا

حضرت عمر فاروق اعظمؓ کے بارے میں رؤف ام وہوی کے ارشادات ملاحظہ ہوں

جو پڑھتے ہیں قرآن وہ جانتے ہیں
اَشِدّاءُ ہے شانِ فاروق اعظمؓ

کعبۃ اللہ میں جماعت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

جماعت ہوئی کعبہ میں ان کے دم سے
یہ تھا زور ایمانِ فاروق اعظمؓ

فاروق اعظمؓ کے نبیؐ سے عشق کے بارے میں رؤف صاحب فرماتے ہیں ؎

خدا کی یاد ہے یادِ نبیؐ مرے نزدیک
نبیؐ کا عشق سمجھتا ہوں الفتِ فاروقؓ

Scanned by CamScanner

حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ کے باہمی ربط و تعلق کے بارے میں رؤف امروہوی کے ارشادات ملاحظہ ہوں ؎

عمرؓ کی آنکھ سے دیکھے کوئی علیؓ کا جمال
علیؓ کے دل سے کوئی پوچھے عظمتِ فاروقؓ

شانِ فاروقؓ اور جلالِ فاروقیؓ کے بارے میں فرماتے ہیں ؎

آنکھ محوِ دیدِ عثمانؓ سر میں سودائے علیؓ
دل فدا صدیق پر ہو جان قربانِ عمرؓ

اَلجبَل یا ساریہ کی ہے مدینہ سے صدا
کیا تصرّف کر رہا ہے جوشِ فیضانِ عمرؓ

ایران کے متعلق رؤف صاحب کا لطیف اشارہ ملاحظہ ہو ؎

ہے مفتوحہ بیت المقدس انھیں کا
ہے ایران ایرانِ فاروقِ اعظمؓ

حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت اور قرآن کریم کی تلاوت کے بارے میں رؤف امروہوی کا اندازِ بیان ملاحظہ ہو ؎

قرآں کی تلاوت میں پیا جامِ شہادت کیا خوب ہوا خاتمہ عثمانِ غنیؓ کا

قرآں کی اشاعت میں رہے فائق و برتر
وہ طرزِ دل آویز تھا عثمان غنیؓ کا

"نخلۂ محامد" کے بعد ۱۹۴۰ء میں آپ کے کلام کا دوسرا گلدستہ یعنی مجموعۂ کلام مجاز "گلرنگ تخیل" کے عنوان سے اشاعت پذیر ہوا۔ اس میں ستانوے غزلیں اور آٹھ مخمسات ہیں۔ شروع میں مولانا سید حبیب احمد اُفق کاظمی صاحب کا مضمون ہے جس میں رؤف امروہوی کی غزلوں پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے مولانا نے آغازِ کلام میں نہایت متوازن اور صحیح تجزیہ پیش کیا ہے فرماتے ہیں

کلامِ رؤف بجائے خود اتنا سادہ و سلیس اور عام فہم ہے کہ ناظرین و سامعین بیک نظر و بیک سماعت اس کا مطلب و مدعا سمجھ کر لطف اندوز ہو سکتے ہیں اور بعض ناقدینِ شعر کے نزدیک شعر کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ اتنا صاف اور سریع الفہم ہو کہ اِدھر شاعر کی زبان سے مصرعۂ اولیٰ ادا ہو اور اُدھر سامعین کے ذہن میں مصرعۂ ثانی یا اس کا مضمون آجائے جب کلامِ رؤف کی یہ شان ہے تو ظاہر ہے کہ اس پر کوئی تبصرہ کرنا تحصیل حاصل کے مترادف ہوگا"

جناب رؤف کی غزلیں نہایت سادہ اور سلیس زبان میں لکھی گئی ہیں ان کی متعدد غزلیں سہل ممتنع کی قبیل میں شمار کئے جانے کے قابل ہیں انھوں نے اپنے دلی جذبات کا اظہار ایک نیک سیرت عاشق صادق کی طرح کیا ہے ان کے مجاز میں بھی حقیقت کا پرتو نظر آتا ہے خدا اور محبوبِ خدا سے والہانہ شیفتگی

ان کی غزلوں کے اشعار میں بھی نمایاں ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں

رؤفؔ بے نوا کب سے کھڑا ہے ہاتھ پھیلائے
اسے بھی بھیک مل جاتی تمھارے در کا منگتا ہے

عاشق کو کیا کسی کے اچھے برے سے مطلب　　جینا تری گلی میں مرنا تیری گلی میں

رکھتا نہیں امیدِ وفا اور کسی سے　　مطلب نہیں کچھ تیرے سوا اور کسی سے

ہاں بادِ صبا پھر وہی دلدار کی باتیں
یاد آتی ہیں رہ رہ کے بہت یار کی باتیں

رؤفؔ امروہوی نے اس شعر میں قاتل کی انتہائی بے دردی کا ذکر کیسے پُرتاثیر انداز میں کیا ہے ؎

نکالی جان کس انداز سے قاتل نے رُک رُک کر
جہاں دل میں تڑپ دیکھی وہیں نوکِ سناں رکھ دی

محبوب کے انتظار میں عاشق کے جذبات کا ذکر ملاحظہ ہو ؎

آپ آتے ہی رہیں گے دیکھنا　　اور سفر دنیا سے کر جائیں گے ہم

رؤفؔ امروہوی نے خوابِ غفلت کا ذکر کس انداز سے کیا ہے ؎

خوابِ غفلت سے رؤفؔ افسوس کب آنکھیں کھلیں
مل گیا جب خاک میں سب سازوسامانِ بہار

Scanned by CamScanner

سائل دہلوی کی صدارت میں امروہہ میں ایک مشاعرہ ہوا اس میں حضرت رؤف نے جو غزل پڑھی اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

جو کوئی بات پوچھو اس کے واقف کار سے پوچھو
وفا عاشق سے پوچھو بے وفائی یار سے پوچھو

نہ تم مجھ سے نہ کچھ میرے کسی غم خوار سے پوچھو
مری الجھن کو اپنے گیسوئے خم دار سے پوچھو

شفا ہونا نہ ہونا یہ تو باتیں ہیں مقدر کی
مگر آکر کبھی تم حال تو بیمار سے پوچھو

شہیدِ ناز کی میت کا اٹھنا بھی قیامت تھا
عجب حسرت برستی تھی در و دیوار سے پوچھو

محبت شمعِ ایماں ہے محبت شمعِ عرفاں ہے
محبت حاصلِ جاں ہے کسی ہشیار سے پوچھو

ادائے دلبری یہ ہے تمھارا کام تم جانو
مگر اس پر فدا ہونا رؤفِ زار سے پوچھو

حضرت رؤف امروہوی کا تیسرا مجموعۂ کلام بعنوان "کوثر رحمت" مشتمل بر نعت و مناقب غزلیات و مخمسات میں منصۂ شہود پر آیا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۷۶ء میں شائع ہوا۔ ابتدا میں اُردو کے ممتاز محقق و تنقید

نگار جناب نثار احمد فاروقی امروہوی نے پیش گفت کے عنوان سے بڑے دل پذیر اور خوب صورت انداز میں رؤف صاحب کے کلام کے محاسن اور شخصیت کی سادگی کا تجزیہ پیش کر کے حق شاگردی ادا کیا ہے۔

ایک جگہ لکھتے ہیں ——————

"اُن (رؤف امروہوی) کے کلام میں صرف عشقیہ جذبات وخیالات کی ترجمانی ہی نہیں ملے گی بلکہ تصوف وفلسفہ کا رنگ بھی ایسا ہی بامزہ ہے۔ فرق اتنا ہے کہ نہ کورا عشق ہے نہ نرا فلسفہ۔ حسین امتزاج اور خوش آمیز آمیزش ہے حضرت رؤف کا دل صوفی ہے، اطوار صوفیانہ ہیں اور ذہنی اعتبار سے وہ پکے موحد۔ مگر انھوں نے جب فلسفے اور تصوف کی بات بھی کہی ہے تو اتنی ہی سادگی اور صفائی سے کہی ہے جتنی محبوب مجازی کے وصل وفراق کی داستان"

مندرجہ بالا اقتباس کی روشنی میں آپ بھی چند اشعار ملاحظہ فرمائیں ؎

وہ میری روشنی میں ان کا جلوہ — حقیقت ہے کوئی مانے نہ مانے
ہماری کوششیں بے کار ہیں سب — وہی ہوگا جو چاہا ہے خدا نے

قدم جو رکھتا ہے سالک رہِ محبت میں
تو سب سے پہلے فنا کا مقام آتا ہے

رؤف صاحب حافظ قرآن ہیں اسی لئے اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ کے مصداق نماز پنجگانہ کے متعلق نصیحت آمیز انداز میں فرماتے ہیں ؎

نماز پنجگانہ کا جو عامل ہو نہیں سکتا
وہ صوفی بن نہیں سکتا وہ کامل ہو نہیں سکتا

حافظ رؤف امروہوی کی چوتھی تصنیف ان کی اپنی سوانح حیات پر مشتمل ہے اس کتاب کا نام ہے "اپنی زباں سے میں"۔ اس کا شانِ نزول یہ ہے کہ وقار الاسلام صاحب متوطن امروہہ کو مسجد نبوی میں آواز آئی کہ عبدالرؤف کو اپنے صرفہ سے مدینہ بلاؤ چناں چہ موصوف نے حافظ صاحب کو اپنے صرفہ سے بیت اللہ کی سعادت اور مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف کرایا۔ ان تمام واقعات اور مدینہ جانے کی تڑپ روضۂ رسول اقدس ﷺ دیکھنے کی آرزو اور بے چینی کے متعلق اپنی دلی کیفیات و جذبات کا اظہار رؤف امروہوی نے انتہائی اثر انگیز انداز میں کیا ہے ملاحظہ فرمائیے ؎

تڑپتا ہے دل دیکھنے کو مدینہ
درِ شہ پہ جانے کو جی چاہتا ہے
پہنچ جاؤں قسمت سے اک بار اگر میں
تو پھر کر نہ آنے کو جی چاہتا ہے

وہ ترس کھا کے مدینے مجھے بلوا لیتے
قاصد اس طرح مرا حال سنایا ہوتا

تمنا ہے اگر ان کی تو یہ تدبیر کر زاہد کسی عاشق سے ان کے پہلے رسم و راہ کر پیدا

عشقِ رسولؐ میں بے چین اور مضطرب ہو کر اپنی تمنا کا اظہار اس طرح کرتے ہیں ؎

مدینے جا کے میں بھی روضۂ اقدس کے بوسے لوں
الٰہی غیب سے ہو جائے سامانِ سفر پیدا

رؤف صاحب مدینے کی گلی کو دل کی جنت اور طیبہ کے بیابان کو گلستانِ ارم کیسے انوکھے انداز سے بیان فرماتے ہیں ؎

گلستانِ ارم ہے دشتِ طیبہ مدینے کی گلی جنت ہے دل کی

اور آخر کار رؤف صاحب کے دل کی تڑپ رنگ لائی اور روضۂ رسول اقدسؐ کی زیارت کا ارمان پورا ہوا اور مدّت سے انتظار محبوب میں گھبراہٹ پیدا ہو رہی تھی وہ ختم ہوئی جس کو رؤف صاحب نے یوں فرمایا ہے ؎

یہاں سے جب بھی گھبراؤں چلا جاؤں چلا آؤں
مدینے کے لئے ہو ایسی کوئی رہ گذر پیدا

در محبوبؐ پر پہنچنے کے بعد سوال و جواب کا بیساختہ پن اور والہانہ انداز ملاحظہ ہو ؎

آپؐ فرمائیں گے کیسے آنا ہوا، میں کہوں گا کہ اے شاہِ ہر دو سرا
کام ہے اور کیا مانگنے کے سوا، سرورِ انبیاء سرورِ انبیاء

اور فرماتے ہیں ؎

آستانے پہ ہے اک بھکاری، جس کی آنکھوں سے ہیں اشک جاری
آپؐ کی مصطفائی کا صدقہ، بھیک داتا اِسے بھی عطا ہو
شفیع حشر سُن لو رحمۃ للعالمیں سُن لو

بڑا پُر درد ہے اس دور میں اُمت کا

ہمیں معلوم ہیں سب آپ کے انداز یا حضرت
رحیمانہ کریمانہ مسیحانہ خلیلانہ

پھر قلبی جذبات کا اظہار کس انداز سے کرتے ہیں ؎

سگِ درگاہ رؤف آپ کا مجرم قیدی
آپ کے سامنے موجود ہے مضطر نہیں

اور یہ کہتے کہتے کس سادہ زبان اور ادب کے ساتھ دربار رسولؐ میں عرض کرتے ہیں ؎

آدابِ بارگاہ تو سیکھو ابھی رؤف
اس منہ پہ عرضِ حال رسالت مآب سے

بقول حضرت آفق وہ اپنی آرزوؤں اور تمناؤں کو سرکار دو عالمؐ کے حضور میں ایسی عاجزانہ سادگی اور بھولے پن سے پیش کرتے ہیں کہ رحمۃ للعالمین کی توجہ کو اُن پر بے تامل پیار اور ترس آجائے تو عجب نہیں۔

(بقیہ صفحہ ۱۲۶)

انتخاب مشاعرہ

شجاع الرّبّ

غم سے گھبرائے تو بس سوئے مدینہ دیکھا
ہم نے دیکھا تو بھنور میں بھی سفینہ دیکھا

دوستو مدح کرو سارے نبیوں کی مگر
تم نے انگشتری اور میں نے نگینہ دیکھا

مرزا دانش اقبال

عادت میں تمھاری نہ قرینے میں تمھارے
ہم پھر بھی تو کچھ لگتے ہیں رشتے میں تمھارے

تم سایۂ دامانِ نبی میں ہوں فریدی
خوش بخت ہے دانش کہ ہے سائے میں تمھارے

بینک شیر کوٹی

گھر کا اب تک کبھی محمدؐ کے نہ رستہ دیکھا
ہم ہوئے اس میں بڈھے نہ مدینہ دیکھا

جانے کیوں رہ گیا ملتا ہوا میں آنکھوں کو
آپ کے لطف سے لاکھوں نے مدینہ دیکھا

جمال عباس فہمی

اللہ کے محبوب کی توصیف میں لکھوں
یہ جرأت و ہمت مرے خامے میں نہیں ہے

ثابت یہ ترے در کی گدائی سے ہوا ہے
جو بات فقیری میں ہے شاہی میں نہیں ہے

حسن امام حسنؔ

دیدہ مجھے کچھ میری طلب سے بھی زیادہ
کیا شے مرے سرکار کے قبضے میں نہیں ہے

وہ شاہِ عجم ہوں کہ شہنشاہِ مدینہ
بالیں پہ حسنؔ آئیں گے یہ مجھ کو یقیں ہے

Scanned by CamScanner

ڈاکٹر لاڈلے

کچھ ایسی فصاحت ملی لہجے میں تمہارے — خود آ گئے کفار بھی حلقے میں تمہارے
قرآن ہو کہ اسلام شریعت ہو کہ عترت — سب کچھ یہ میسر ہوا صدقے میں تمہارے

زبیر ابن سیفی

جب زمانے نے ترے نور کا تڑکا دیکھا — کفر کی رات میں ایماں کا سویرا دیکھا
بولہب ہی رہا بوجہل کا ساتھی ورنہ — ہر اندھیرے نے تجھے نور سے رستہ دیکھا

حافظ شمیم احمد شمیمؔ

جس نے ایمان کی حالت میں وہ جلوہ دیکھا
اُس کو ہر صاحبِ ایمان سے اعلیٰ دیکھا
دیکھ کر تم کو کوئی یہ بھی نہیں کہہ سکتا
آئینہ دیکھا ہے یا آئینہ والا دیکھا

مجھ کو بھی بخش دیا اپنی غلامی کا شرف
سوچتا ہوں مرے آقا نے بھلا کیا دیکھا

محبوب الرب ربانی

بس پیشِ نظر گلشنِ نعتِ شہِ دیں ہے — مہ پارو نہ چھیڑو مرا دل اور کہیں ہے
جو زیرِ قدم تھا شہِ دیں کے شبِ معراج — مشہور ابھی تک تو وہی عرشِ بریں ہے

یوسف امروھوی

اب وہ صدیقؓ و عمرؓ ہوں کہ ہوں عثمانؓ و علیؓ — آپ کے عشق میں سب کو ہی تڑپتا دیکھا
سب نبی قابلِ تعظیم ہیں لیکن یوسف — آپ جیسا نہ کسی اور کا رتبہ دیکھا

Scanned by CamScanner

ظفر مرادآبادی

اُس شخص کی قسمت میں نہ دنیا ہے نہ دیں ہے
شامل جو غلامانِ محمدؐ میں نہیں ہے

اُس کے لئے موقوف حوالے نہ دلیلیں
وہ ذاتِ مبارک جو ہر اک شے سے حسیں ہے

بازیچۂ اطفال ہے وہ فکر و تجسّس
وابستہ جو اُس ذاتِ گرامی سے نہیں ہے

انسان پہ نہیں دل پہ ہوئی جس کی حکومت
وہ فتح مبیں فتح مبیں فتح مبیں ہے

ہے ظلمت اوہام ظفر مجھ سے گریزاں
اللہ کے محبوب کی اُلفت مرا دیں ہے

رئیس احمد کفیل امروہوی

قطعہ

دل میں بیتاب ہیں جذبات عقیدت لیکن
اپنے جذبات کا اظہار کروں تو کیسے

فتویٰ شرک لگا دے گا عبادت کا مدیر
مدحتِ سیدِ ابرار کروں تو کیسے

اک نظر جلوۂ محبوبِ خدا کیا دیکھا
جس طرف دیکھا اُجالا ہی اُجالا دیکھا

دلِ انساں سے مٹا صدیوں کی تذلیل کا درد
کوئی اُن سا نہ زمانہ میں مسیحا دیکھا

Scanned by CamScanner

ساجد امروہوی

بابا کی خدمت میں تین شعر

حق نگر آنکھ نے جب آپ کو پرکھا دیکھا
عشق سرکار دو عالم کا کرشمہ دیکھا

کون سے دل میں نہیں دید مدینہ کی تڑپ
کون سی آنکھ ہے جس نے نہ یہ سپنا دیکھا

آپ کی خاص طلب کا یہ سبب تھا شاید
ان کی رحمت نے تڑپنے کا سلیقہ دیکھا

[illegible] کی خزانے میں تمہارے
اللہ کی ہر چیز ہے قبضے میں تمہارے

بس جاتے ہیں آجائیں جو سانسوں میں ہمارے
جی جاتے ہیں مر جائیں جو رستے میں تمہارے

[illegible] ہیں غلاموں کے بلاوے
پیغمبری پیغام ہیں کرتے میں تمہارے

چمکا دو ہمارے بھی مقدر کا ستارہ
ٹوٹ آتا ہے مہر ایک اشارے میں تمہارے

ہم خفتہ نصیبوں کے بھی دن پھیر دو آقا
یہ گردش ایام ہے کہنے میں تمہارے

شہباز ندیم ضیائی

جب تصور میں کبھی اُن کا سراپا دیکھا
دور تک پھیلا ہوا نور کا دریا دیکھا

دھوپ میں جلتا ہوا منظر صحرا دیکھا
آپ کے سر پہ مگر ابر کا سایہ دیکھا

گنبد سبز کا وہ دل نشیں منظر کہ جہاں
میری آنکھوں نے سماں رحمتوں والا دیکھا

ڈاکٹر شفاعت فہیم

کیا بات کہ سر سجدہ میں اور ذہن کہیں ہے
زاہد یہ عبادت تری عادت تو نہیں ہے

اللہ کے بندے تو ہیں مسجودِ ملائک — اللہ کے بندوں کی محبت مرا دیں ہے

منور حنفی امروہوی

حق کے محبوب نے معراج میں کیا کیا دیکھا — جس کا امکان بظاہر نہ تھا وہ جا دیکھا
حسن و خوبی کا ہیں معیار وہی بعد خدا — انکو سب اچھوں کے اچھے سے بھی اچھا دیکھا
اُنکا سایہ جو زمیں پر نہیں اُترا تھا کبھی — آنکھ والوں نے دو عالم پہ وہ سایہ دیکھا
میں نے دیوار پہ بچپن میں لکھا تھا احمدؐ — عمر بھر گھر میں اجالوں کا بسیرا دیکھا

حامد امروہوی

فردوس بریں مانا کہ فردوسِ بریں ہے — لیکن ترے کوچے کے برابر تو نہیں ہے
والشمس ہیں رخسار تو واللیل ہیں گیسو — وہ چہرۂ انور ہے کہ قرآن مبیں ہے
سرکار دو عالم ہیں مگر حال تو دیکھو — پیوند سے خالی کوئی پوشاک نہیں ہے
اللہ سلامت رکھے یہ شوقِ حضوری — میں دور ہوں طیبہ سے مگر دل تو وہیں ہے
مداح شہِ دیں ہوں مرا نام ہے حامد — محشر میں مجھے اپنی شفاعت کا یقیں ہے

شمیم نقوی

اہل عالم نے بشر کیا کوئی ایسا دیکھا — جسکے قدموں کے نشاں پائے نہ سایہ دیکھا
ہو گئیں گنگ زبانیں ہی زباں دانوں کی — پتھروں کو جو ترے ہاتھ میں گویا دیکھا
اُنکی تعریف میں سر شار ملے کُل اوراق — کھول کر ہم نے جہاں سے بھی صحیفہ دیکھا
سامنے آئی تو پیوند لباسی لیکن — پیر وشاہ کے دامن پہ نہ دھبّا دیکھا

Scanned by CamScanner

افسر امروہوی

اعجاز یہ کیا نقشِ کفِ پا کا نہیں ہے
میں فرش ہوں میری جبیں عرش نشیں ہے

محتاط نہ رہیے تو جہنم ہی ملے گا
مدحت مرے سرکار کی آسان نہیں ہے

خوش کیسے ہوں جب میرے عمل ہی نہیں اچھے
لیکن وہ خفا رہتے ہوں ایسا بھی نہیں ہے

سب کہتے ہیں محشر میں کہ خوش بخت ہے افسر
وہ شافعِ محشر ہیں کوئی اور نہیں ہے

ڈاکٹر نسیم الظفر سنبھل

طاق ابد و جملۂ میثاق وازل کیا
جو شے ہے وہی غرق ہے جلوے میں تمھارے

جز سایۂ رحمت کوئی سایہ نہ تھا سر پر
اب جس کو بھی دیکھو وہ ہے سائے میں تمھارے

اُس ذاتِ گرامی کی محبت مرا دیں ہے
وہ ذات کہ سب کچھ ہے بس اللہ نہیں ہے

اُس در کے غلاموں کو یہ خدشہ نہیں ہوتا
کیا چیز مقدر میں ہے کیا چیز نہیں ہے

ڈاکٹر مرزا احمد حسین یقینی امروہوی

قطعہ

والدِ گرامی کی خدمت میں

آپ کو منزلِ مقصود ملی دنیا میں
آپ نے اپنی تمناؤں کو پھلتا دیکھا

آپ کے ذوقِ طلب میں تھا کچھ ایسا ہی خلوص
حج کعبہ بھی کیا گنبدِ خضرا دیکھا

Scanned by CamScanner

نعت خوانی کا جو یک شغل کیا تھا جاری
سخت حالات میں بھی اس کو نہ ٹلتا دیکھا

دس محرم کو شہادت کا کیا ذکر شروع
اور وہ جلسہ بھی ہر سال ہی ہوتا دیکھا

پھر کیا محفلِ میلادِ نبیؐ کا آغاز
اور یہ سلسلہ بفضل نہ رُکتا دیکھا

مشغلے آپ کے سب جاری ہیں گے یونہی
ہم نے یہ آپ کے ممدوح کا صدقہ دیکھا

ہم نہ چھوڑیں گے روش آپ کی انشاءاللہ
اس روش ہی میں تو رحمت کا خزانہ دیکھا

آپ کی روح کی تسکین کا بھی ساماں ہے یہ
اپنے حق میں بھی اسے فیض کا دریا دیکھا

نعت

ہے زلیخا کا ہر گوشہ نمونے میں تمہارے
حل سارے مسائل کا ہے حل اسوے میں تمہارے

ظلمت میں جو تھی راہِ نجات آنکھ سے اوجھل
دنیا کو نظر آئی اُجالے میں تمہارے

تالے تھے زبانوں پہ خیالات پہ پہرے
اصحاب نے کھولے گئے ہیں ایسے میں تمہارے

صدیقؓ ہیں فاروقؓ ہیں عثمانؓ ہیں علیؓ ہیں
بے مثل یہ چاروں ہیں ادارے میں تمہارے

اس کو بھی قدمبوسی کا اعزاز ملا ہے
یہ کاہکشاں آئی تھی رستے میں تمھارے

ہاں روزِ ازل سے ہے تمھارا ہی زمانہ
ہر ایک زمانہ ہے زمانے میں تمھارے

ہم اہلِ محبت کا یہ ایمان ہے آفاؔ
قیمت ہے اگر سر کی تو سودے میں تمھارے

تا حشر تمھارے ہی تصور میں کٹے گی
جاتی رہیں آنکھیں جو نظارے میں تمھارے

کچھ ایسے تعلق سے نوازو مجھے آفاؔ
آجائے مرا ذکر بھی چرچے میں تمھارے

اپنی زباں سے میں

مشتمل بر سوانح حیات

زائر حرمین شریفین الحاج ماسٹر حافظ عبدالرؤف ضیاؔ رؤف بیامروی ہو

ناشر

احمد حسین سیفی خلف مصنف ممدوح

محلہ سدو امروہہ

ملنے کے پتے

احمد حسین سیفی محلہ سدو - منشی صدرالحسن تاجر کتب محلہ گھرمنات

نیشنل بکڈپو محلہ گذری - خورشید بک ڈپو محلہ گذری

سنہ ۱۹۷۸ء

Scanned by CamScanner

جملہ حقوق محفوظ ہیں

اِنتساب

میں اپنی اس ناچیز تالیف

موسوم بہ

اپنی زبان سے میں

کو

مقرب بارگاہِ احدیت و مخاطبِ سرکارِ رسالتؐ

سعیدِ ازل

عزیز القدر وقار الاسلام سلّمہ ولد بدر الاسلام

مرحوم ساکن محلہ دستار سیاہ امروہہ ضلع مرادآباد کے

نامِ نامی سے معنون و منسوب کرتا ہوں۔

احقر رؤف امروہوی (مؤلّف)

Scanned by CamScanner

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

سببِ تالیف

ناظرین کرام!

سفرِ حج سے واپسی پر سب دوست احباب ملاقات کے لئے تشریف لائے عالیجناب مولانا نسیم احمد صاحب فریدی نے بھی قدم رنجہ فرمایا۔ نظمِ واپسی سُن کر بہت خوش ہوئے، کچھ عرصہ بعد غریب خانہ کی طرف سے گزر رہے تھے کہ ملاقات ہو گئی، فرمانے لگے کہ آپ کی ایک نعت آپ کے پوتے زبیر سلمہٗ نے ایک جلسہ میں پڑھی تھی اس کا مقطع مجھے بہت پسند آیا دو مرتبہ پڑھوایا، اُس نعت کو سُننے کا اشتیاق ہے۔ میں اُنھیں مکان کے اندر لے آیا نعت شریف سُن کر بہت مسرور ہوئے اور بڑی ہمت افزائی فرمائی۔ اس عرصہ میں قاری فرید احمد صاحب دہلوی بھی دہلی سے بطور اظہارِ عقیدت ایک سپاس نامہ بہت حسین نرم میں فٹ کرا کر لا چکے تھے، اُس سپاس نامہ کا مضمون بھی میں نے اُنھیں سُنایا جس میں ایک نظم جو ہر جے پوری کی تھی اور ایک قطعہ تاریخ رضی بدایونی کا تھا۔

سُن کر فرمانے لگے کہ ایک نظم تم پڑھ کر گئے تھے جسمیں تیس بتیس شعر تھے اور یہ
نظم والی ہے اس میں بھی قریب قریب اتنے ہی اشعار ہیں۔ سپاس نامہ میں
ایک نظم جو ہر جے پوری کی ہے، احمد حسین سیفی اور ساجد حسین ساجد سلمہما نے
بھی اپنی استقبالیہ نظموں میں عقیدت کے نذرانے پیش کئے ہیں اُن سب نظموں کو
مرتب کر کے طبع کرا دو تو بہت مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اس سے تقریباً ایک ماہ بعد بابو ظہیر احمد خانصاحب جلسۂ نعت خوانی
کے ایک بہت پرانے قدرداں سے جو ایک عرصہ سے باہر اپنے مریدوں میں تھے
سرِ راہ ملاقات ہوگئی، فرمانے لگے کہ میں نے شیوپوری میں ایک مقرر کی تقریر
میں آپ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طلبی پر مدینہ منورہ جانے کا واقعہ سُنا
آپ کا نام سنتے ہی مجھے بڑی مسرت ہوئی، مقرر صاحب کی تقریر کا موضوع
حُبِّ رسول صلعم تھا۔ صوفی رفیق احمد آسی کی دوکان سامنے ہی تھی اسمیں
خود بھی بیٹھے اور مجھے بھی بٹھا لیا اور فرمایا کہ اب مجھے بتائیے کہ حضورؐ کی یاد آوری
کی کیا صورت پیش آئی تھی۔ میں نے جب اُن کو تفصیلِ واقعہ سُنائی تو کہنے لگے کہ
صرف اتنا ہی قلم بند نہ کیجئے بلکہ اپنی زندگی کے تمام واقعات اور اپنے پیر و مرشد
کے جملہ حالات، اُن کے مکاشفات اور اُن کی کرامات سب ضبطِ تحریر میں لے
آئیے۔ آپ کی اس صورت سے طلبی بھی ایک اہم اور سبق آموز واقعہ ہے جس کو
پڑھ کر مسلمانوں کی آنکھیں کھُلیں گی، حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ

اُبھرے گا اور آپ داخلِ حسنات ہوں گے، اُس وقت مجھے جلیل نانپوری جانشین امیر مینائی لکھنوی کا یہ مقطع یاد آگیا جو اپنے یہاں جلسۂ نعت خوانی میں اکثر سُنا ہے ؎

صرف حُبِّ نبوی حشر میں کام آئی جلیل
طاعتیں آئیں نہ زہد آیا نہ تقوے آیا

ان ارشادات و ترغیبات نے ایک جوانِ شست سوانح حیات لکھنے پر مجبور کیا اللہ تعالیٰ اس کو حُسنِ قبول عطا فرمائے اور یہ تالیف مؤلف کے لئے توشۂ آخرت بنے۔

خاندان اور ابتدائی تعلیم

قارئینِ محترم! فقیر سراپا تقصیر عبدالرؤف بن مرزا شفیع اللہ بیگ مرحوم عرض پرداز ہے کہ میں ۱۸۹۴ء میں امروہہ محلہ سدو کے مغلوں کے ایک خاندان میں پیدا ہوا۔ نابینائی کا زمانہ ختم ہونے پر یاد ہے کہ قرآن شریف گردن میں حمائل کئے ہوئے مولوی علی احمد صاحب مرحوم کی مکتب کی طرف جو بھٹی کی مسجد میں تھی چلا جارہا ہوں۔ جب ناظرہ قرآن کی تعلیم ختم ہوئی تو حافظ محمد صادق صاحب[1]

---

[1] حافظ محمد صادق صاحب مرحوم میرے استاد تھے صرف حافظ قرآن ہی نہ تھے بلکہ علم کلام، منطق، فلسفہ، حدیث، تفسیر کے فارغ التحصیل محدث امروہوی مولانا سید احمد حسن صاحبؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور بڑے خوش الحان نعت خواں بھی جلسۂ نعت خوانی کے پہلے پندرہ سال تک تادمِ حیات شرکتِ جلسہ فرماتے رہے۔

مرحوم کے اس کمرہ میں جانے لگا جو اس مکتب کے برابر ہی تھا اور جہاں وہ حفظِ قرآن کی تعلیم دیتے تھے چنانچہ قرآن شریف حفظ کرنا شروع کر دیا۔

ابھی قرآن ختم نہ ہونے پایا تھا کہ والد صاحب کے حکم پر معہ اپنی والدۂ مرحومہ اور بھائی مرحوم کے کوہِ آبو جانا پڑ گیا، وہاں باقی قرآن حفظ کرنے کے سلسلہ میں ایک حافظ صاحب کی خدمت میں جو اجمیر شریف کے رہنے والے تھے پہنچا دیا گیا، تقریباً ایک سال بعد وطن کو واپسی ہوئی جو وہ پندرہ سال کی عمر ہوگی جو محلہ کی مسجد میں پہلی محراب سنائی، مولوی محمد امین صاحب فاضلِ دیوبند، پیر جی رُوح الامین صاحب کے فرزند ارجمند تھے جو تراویح کا خاص طور پر اہتمام و انصرام فرماتے تھے۔ اس کے بعد پھر مولوی علی احمد صاحب کی مکتب میں جو اب محلہ گذری میں منتقل ہو گئی تھی جانے لگا اور گلزارِ دبستاں شروع کر دی

(بقیہ صفحہ ۵) سعدی علیہ الرحمۃ کی یہ غزل خاص طور سے پڑھتے تھے اور جلسہ پر ایک عجیب کیف و وجد کا عالم طاری ہو جاتا تھا۔

آبِ حیاتِ من است خاکِ درِ کوئے دوست — ہر دو جہاں خرمی چشمِ من در روئے دوست

اے نفسِ صبحدم منتظرت ماندہ ام — یا بر از من پیام یا بر سان بوئے دوست

گر بہ زمینِ دگر دفنِ تنِ من کنند — زیرِ زمیں رہ کنم سر بکشم سوئے دوست

لاف مزن سعدیا شعرِ تو چوں سحر شد
سحر نخواہد رسید غمزۂ جادوئے دوست

تھوڑے عرصہ بعد والد صاحب نے پھر کوہ آبو بلا لیا، وہاں سے ریاست جودھپور آنے کا اتفاق ہوا، یہاں والد صاحب نے ریاست کے اسکول میں انگریزی شروع کرادی، چند ماہ بعد امروہہ آگیا اور ماسٹر ظفر علی صاحب کے وسیلہ سے جو نور المدارس امروہہ میں انگریزی کے استاد تھے تیسرے درجہ میں داخل ہوگیا جب وہ نور المدارس سے امام المدارس میں منتقل ہوئے تو میں بھی اُن کے ساتھ امام المدارس میں آگیا اور درجہ ۴ میں داخل ہوگیا یہ سال غالباً ۱۹۰۹ء تھا، اب تعلیم باضابطہ اور باقاعدہ شروع ہوگئی۔

اس مدرسہ میں درجہ ۷ تک تعلیم دی جاتی تھی جب میں ساتویں درجہ میں تھا اور سالانہ امتحان کا وقت آیا تو ماسٹر یعقوب علی خاں صاحب ساکن ہنڈیا نے جو گورنمنٹ ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے امام المدارس کے ہیڈ ماسٹر صاحب کو بذریعہ تحریر مطلع کیا کہ آپ اپنے درجہ ۷ کے طلباء کو ہمارے اسکول کے درجہ ۷ کے طلباء کے ساتھ امتحان میں بٹھا دیں، کامیاب طلباء کو ہم بے پس و پیش آٹھویں درجہ میں داخل کرلیں گے، ان کا درجہ ۸ میں داخلہ اسی طرح ممکن ہے ورنہ نہیں۔ چنانچہ امام المدارس سے تین طالب علم۔ میں، سفیر احمد ساکن محلہ بنگلہ اور علی احمد ساکن محلہ گذری شریکِ امتحان ہوئے اور صرف میں کامیاب ہوا سفیر احمد اور علی احمد فیل ہوگئے۔ میں اگلے سال گورنمنٹ ہائی اسکول کے درجہ ۸ میں داخل ہوگیا۔ اب امام المدارس کے اساتذہ اور ارکانِ مدرسہ مجھے اپنے مدرسہ کا

مایۂ ناز طالب علم تصور کرنے لگے میرا اختیاری مضمون فارسی تھا اور اس مضمون میں دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ ششماہی امتحان میں ممتحن صاحب نے ایک مختصر سی عبارت انوار سہیلی کی ترجمہ کرنے کے لئے دی جس کے آخر میں یہ شعر تھا ؎

سالہا دل چوں صبا طوفِ ریاضِ دہر کرد
در فضائے او گلے گر یافت بے خارے نیافت

میں نے اس کا ترجمہ کر دیا وہ ترجمہ اسی صفحہ پر ختم ہو گیا، اگلے صفحہ پر ورق لوٹ کر میں نے لکھا کہ حضرت شمس الدین حافظ شیرازی علیہ الرحمہ اس مضمون کو اس طرح فرماتے ہیں۔ ؎

حافظا از بادِ خزاں در چمنِ دہر مرنج
فکرِ معقول بفرما، گلِ بے خار کجاست

ممتحن صاحب نے اس سوال کے دس نمبر رکھے تھے ترجمہ پر آٹھ نمبر دے دیئے ورق لوٹ کر تائید میں حافظ کا یہ شعر دیکھا تو باقی دو نمبر بھی دیدیئے اور اتنے متاثر ہوئے کہ دوسرے دن آٹھویں کلاس میں تشریف لائے اور جو استاد اس وقت پڑھا رہے تھے ان سے دریافت فرمایا کہ عبدالرؤف طالبعلم کونسا ہے، استاد نے میری طرف اشارہ کیا میں اپنی جگہ کھڑا ہو گیا، ممتحن صاحب میرے پاس تشریف لائے، سر پر بڑی شفقت سے ہاتھ رکھا۔ شاباش فرمایا۔ بڑی مسرت کا اظہار کیا، اور دعائیں دیتے ہوئے چلے گئے۔

اس غیر معمولی استعداد کا سبب یہ تھا کہ جب میں چوتھے درجہ میں تھا تو مولوی سید رضا حسن صاحب استادِ فارسی نور اللہ مرقدہٗ نے جو محلہ مجاپورہ میں رہتے تھے اور شیعہ مذہب رکھتے تھے مجھ سے قرآنِ پاک سن کر اور اس سے متاثر ہو کر فرمایا کہ تم گلستاں خرید لاؤ میں تمہیں گلستاں مدرسہ کے اوقات کے علاوہ پڑھاؤں گا میں بازار سے گلستاں خرید لایا اور اُن سے گلستاں پڑھنا شروع کر دی، جب درجہ ۶ میں میں نے اختیاری مضمون فارسی لیا تو یہ مضمون آمدنامہ سے شروع ہوا۔ میں اب تک گلستاں کے کئی باب پڑھ چکا تھا اور یہ آمدنامہ سے کہیں آگے کی تعلیم تھی۔ غرض فارسی سے اتنا شغف رہا کہ دیوانِ حافظ کی بہت سی غزلیں ساتویں درجہ میں برزبان تھیں، آٹھویں درجہ سے جب نویں درجہ میں آیا تو پانچواں نمبر تھا اور جب نویں سے دسویں درجہ میں آیا تو تیسرا نمبر تھا یعنی بتدریج ترقی ہو رہی تھی۔

اجمیر شریف میں حاضری

یہ سنہ ۱۹۱۴ء تھا۔ اس سال دیوانگی کی راہ جیسے میں اب تک گام زن ہوں پہلا قدم اس طرح رکھا گیا کہ حضرت خواجہ خواجگاں سید معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ نواں درجہ پاس کر چکا تھا، گرمیوں کی تعطیل ہو گئی تھی کہ دادی صاحبہ کے پاس اُن کے بھائی کا لفافہ آیا جس کے اندر ایک ریلوے کا دو سواریوں کا پاس بھی رکھا ہوا تھا۔ اُن کے بھائی لوکو میں ملازم

تھے اور اپنی ہمشیرہ کو ہر سال اجمیر شریف عرس کے زمانہ میں بُلایا کرتے تھے، پاس بھیجتے تھے اور بڑی منت و سماجت سے اُن سے اجمیر شریف تشریف لانے کی درخواست کیا کرتے تھے مگر یہ اب تک کبھی اجمیر شریف نہیں گئی تھیں، اس سال جبکہ ان کی عمر پچھتر سال کی تھی انھوں نے اجمیر شریف جانیکا ارادہ کرلیا اور تقریباً پندرہ سولہ یونوں اور نواسوں میں اپنے ہمراہ لے جانے کے لئے قرعۂ انتخاب مجھ پر ڈالی، میں اُن کے ساتھ اجمیر شریف حاضر ہوا، عرس کا زمانہ تھا خوب خوب لطف اندوز ہوا، وہاں پندرہ روز قیام رہا، صبح کا شام کا، دن کا رات کا غرض درگاہ شریف میں عرس کے ہر ہر وقت کا سماں دیکھا۔ قوالی کی محفلوں میں شرکت کی، بادشاہوں کی بنائی ہوئی عمارات دیکھیں، اکبری مسجد کا منظر سامنے آیا اور شاہجہانی مسجد میں نمازِ جمعہ ادا کی۔ دیگوں کا لٹنا دیکھا اور وہ کھانا خوب سیر ہوکر کھایا جو دیگوں میں سے نکلتا تھا۔ قلب و نظر میں درگاہِ معلّٰی کے فیوض و برکات محسوس ہوئے اور بہت شاداں و فرحاں اجمیر شریف سے واپس ہوا۔

سنہ ۱۹۱۵ء میں انٹرینس کا امتحان دیا اور جب نتیجہ اخبار میں دیکھا گیا تو اپنے درجہ میں اوّل نمبر تھا۔ تقسیم انعامات کے موقع پر پہلا انعام حاصل کیا جس پر امام المدارس کے ارکان نے بھی فخر و مباحات کا اظہار کیا۔

ایم اے او کالج علیگڑھ میں داخلہ

مولوی سید فضل ستار صاحب جو

جو لالہ باقی تخلص فرماتے تھے۔ اور گورنمنٹ ہائی اسکول میں فارسی کے ہیڈ مولوی تھے اور نویں دسویں درجہ میں مجھے فارسی انھوں نے ہی پڑھائی تھی۔ میری اس کامیابی پر اتنے خوش ہوئے کہ ایک روز نواب مشتاق حسین صاحب وقار الملک مرحوم کی خدمت میں لے گئے اور مجھے ان کے سامنے پیش کر کے فرمانے لگے کہ میری یہ خواہش ہے کہ اس کا داخلہ ایم، اے، او کالج میں ہو جائے آپ ایک سفارشی خط ٹول صاحب کو جو آجکل کالج کے پرنسپل ہیں عنایت فرما دیں تاکہ اس کو وہاں ممکن مراعات بھی حاصل ہو جائیں، اس کے والدین غیر مستطیع ہیں صاحب استطاعت لوگوں کی طرح کالج میں داخلہ نہیں کرا سکتے نواب صاحب کالج کے ٹرسٹی رہ چکے تھے، فوراً اپنے داماد مولوی عبغتہ اللہ صاحب کو بلایا، ٹول صاحب کو ایک سفارشی خط لکھوایا اور مولوی سید فضل نثار صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا، میری بڑی ہمت افزائی فرمائی اور مسرت کا اظہار کیا۔ کچھ عرصہ بعد نواب صاحب واصل بحق ہو گئے رحمۃ اللہ علیہ۔

جب مولوی فضل نثار صاحب سے ماسٹر یعقوب علی خاں صاحب ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول نے نواب صاحب کے سفارشی خط کا حال سنا تو انھوں نے بھی ایک خط بحیثیت ہیڈ ماسٹر ٹول صاحب کے لئے لکھا۔ یہ دونوں خط لے کر میں علی گڑھ داخلہ کے لئے روانہ ہو گیا چلتے وقت مولوی صاحب نے مجھے دو گنیاں عنایت فرمائیں اور کہا کہ تکلیف مت اٹھانا اور جب بھی واپسی ممکن ہو

سر دینا۔ جن کو میں نے کچھ عرصہ کے بعد شکریہ کے ساتھ ادا کر دیا۔ علی گڑھ میں محمود احمد صاحب عباسی مؤلف تاریخ امروہہ اور پروفیسر جلیل صاحب سکنان امروہہ موجود تھے، انھوں نے وہ خطوط طول صاحب کی خدمت میں پیش کئے اور داخلہ بڑی آسانی سے ہو گیا اور جو ممکن رعایت تھی وہ بھی حاصل ہو گئی۔

حضرت جگر سے ملاقات

اب کالج حسب معمول تین ماہ کے لئے بند ہوا تو اپنے ایک دوست اختر حسین ساکن نگینہ کی درخواست پر مسلم اسکول نگینہ کی خدمت کے لئے نگینہ چلا گیا وہاں حضرت جگر سے ملاقات ہوئی جس کمرہ میں میں مقیم تھا وہیں وہ بھی فروکش ہوئے، میز پر دیوان حافظ رکھا ہوا تھا جس کی پشت پر میری پہلی غزل لکھی ہوئی تھی جگر صاحب اٹھا کر پڑھنے لگے۔ یہی غزل باہمی تعارف کا ذریعہ ہوئی۔ چنانچہ مشتہر شاعرہ کے لئے جگر صاحب نے مجھ سے باصرار غزل لکھوائی اور خود بطیب خاطر اس پر اصلاح فرمائی، ترنم سے پڑھنا سکھایا اور میں نے مشاعرہ میں سب سے پہلے ایک شاعر کی حیثیت سے غزل پڑھی، انھوں نے شاعری کے سلسلہ میں کچھ ایسے نصائح فرمائے اور ایسی ہدایات دیں کہ مجھ کو میدان شاعری کی دشواریاں آسان نظر آنے لگیں۔ اور فرمایا کہ تمہیں کسی استاد کی ضرورت نہیں۔۔ تم پیدائشی شاعر ہو۔

جب کالج کھلا تو میں علی گڑھ چلا گیا فرسٹ ایر پاس کیا اور سکنڈ ایر میں

آگیا۔ اس مرتبہ تعطیل میں اورنگ آباد ضلع بلند شہر کے ایک رئیس سید حاتم علی صاحب کے بچوں کے اتالیق کی حیثیت سے تین ماہ کے لئے اورنگ آباد آگیا۔ یہاں ایک شام کو سواری کرتے ہوئے گھوڑے سے گرا اور داہنی ٹانگ گھٹنے اور گٹے کے درمیان سے ٹوٹ گئی۔ پلنگ بول و براز کے لئے درمیان سے کاٹ دیا گیا۔ ساڑھے تین ماہ اسی صورت سے گزرے۔ اُدھر کالج کھل گیا اور پڑھائی شروع ہو گئی۔ انڈر گریجویٹ لاجک جو میرے لئے بالکل نیا مضمون تھا سب میری بیماری کے عرصہ میں پڑھا دیا گیا۔ انٹر کے امتحان میں اسی مضمون کی وجہ سے فیل ہو گیا۔ اگلے سال پھر قسمت آزمائی کی اور پھر فیل ہو گیا۔

تقدیر کا جب وار کیا دستِ قضا نے
تدبیر کا ٹوٹا ہوا بازو نظر آیا

پیر و مرشد کیسے ملے

سنہ ۱۹۱۸ء میں جب تعلیم ختم کر کے وارد امروہہ ہوا تو اپنے ساتھ ایک مرض لایا، صبح سے شام تک دردِ سر میں مبتلا رہتا، کھانے کے بعد فوراً ہی ایک چھوٹی سی اجابت ہو جاتی۔ جب مرض میں شدت ہوئی تو محلہ کے ایک حاذق طبیب حکیم راحت علی خانصاحب کی خدمت میں بغرض علاج حاضر ہوا انھوں نے بڑی توجہ سے علاج شروع کیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ ایک ہفتہ کے بعد پھر حاضر خدمت ہوا انھوں نے نسخہ میں کچھ ترمیم فرمائی مگر افاقہ نظر نہ آیا۔ ایک ماہ گزر گیا۔ پھر حکیم علی احمد صاحب کی طرف رجوع کیا

تقریباً ایک ماہ اُن کا بھی علاج رہا مگر بے سود ثابت ہوا۔ ع

"مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"

آخر کار حکیم عبد الصمد صاحب ساکن محلہ قریشی کی جو اس زمانے کے بڑے تجربہ کار اور مشہور طبیب تھے اور صوفی مشرب بھی تھے خدمت میں حاضر ہوا، اُنھوں نے پہلے معالجین کے نسخے بھی ملاحظہ فرمائے، بڑی توجہ سے حالات پوچھے اور علاج شروع کر دیا، معجونیں بنوائیں، مرکبات تیار کرائے، سفوف استعمال کرائے غرض تین ماہ اُن کے علاج کو بھی گزر گئے مگر مطلق فائدہ نظر نہ آیا، بلکہ شدتِ دردِ سر سے بھیجا سر کے اندر خشک ہو گیا اور بادام کی گری کی طرح ہلنے لگا۔ حکیم صاحب سے یہ حالت بیان کی گئی تو انگشت بدنداں تھے۔ حیرت زدہ ہو کر بولے کہ اس سے بہتر علاج آپ کا ہو نہیں سکتا تھا۔ جو تشخیص آپ کے پہلے معالجین کی تھی وہی میری بھی تھی۔ یعنی ضعفِ معدہ اب مشیت میں کسی کو دخل نہیں۔ یہ سنتے ہی میں وہاں سے گھر آ گیا۔ قنوطیت دل و دماغ پر ایسی مسلط ہوئی کہ کھانا بھی نہ کھایا بستر پر دراز ہو گیا۔ ایک بجے جب نمازِ ظہر کی اذان کی آواز کانوں میں آئی تو حسبِ عادت مسجد کی طرف چل دیا۔ مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ مسجد میں کوئی نمازی نہیں ہے میں نے فرادیٰ ہی نماز ادا کی، دُعا کے لئے جو ہاتھ اُٹھائے تو زباں سے کوئی دعائیہ جملہ ادا نہ ہوا ہاں دونوں آنکھوں سے اشکوں کی جھڑیاں لگ گئیں۔ کب تک روتا آخر گھر کا رُخ کیا، اُس وقت مسجد کے اندر سے ایک

آواز آئی۔ "یہاں آؤ"۔ دیکھا تو جانے پہچانے محلہ کے ایک بزرگ وظیفہ پڑھ رہے ہیں۔ میں ان کے پاس گیا بولے "ٹوپی اُتارو"۔ میں نے ٹوپی اتاری انھوں نے اپنی چار انگلیاں سر کے اُسی حصہ پر جہاں وہ سوکھا ہوا بھیجا ہلتا تھا رکھ دیں اور دم کر دیا۔ اور فرمایا "ہر صبح تم ہم سے مسجد میں آکر دم کرا لیا کرو۔ رو ؤ مت اچھے ہو جاؤ گے"۔ ان کے اس جملہ سے ایسی تسکین ہوئی کہ میں نے گھر آکر کھانا کھایا اور اب نا اُمیدی اُمید سے بدل گئی، صبح کو مسجد میں جا کر ہر روز دم کرا لیتا۔ ایک ہفتہ کے بعد بھیجے کی گٹھلی کے ہلنے میں کچھ کمی محسوس ہوئی، دوسرے ہفتہ میں اور کمی، تیسرے ہفتہ میں اور کمی غرض جسطرح اطباء کے علاج میں چھ ماہ لگے تھے، اُسی طرح دم کرانے میں بھی چھ ماہ لگ گئے، اب وہ دردِ سر بھی رفتہ رفتہ کافور ہو گیا وہ خشک بھیجے کا ہلنا بھی بند ہو گیا اور کھانے کے بعد کا دست بھی موقوف ہو گیا۔ جب مجھے بالکل صحت ہو گئی تو میں نے اُن سے دریافت کیا کہ قطب آج یہ بتائیے کہ میرے اس مرض کے متعلق آپ سے کس نے کہا تھا۔ میرے بغیر بتائے آپ کو کیسے معلوم ہوا۔ فرمانے لگے کیا تمہیں وہ دن یاد ہے جس دن تم مسجد میں رو رہے تھے۔ میں نے عرض کیا خوب یاد ہے، بولے اُس وقت ہم موسیٰ علیہ السلام کے پاس تھے۔ اُنھوں نے تمہاری طرف متوجہ ہونے کا اشارہ کیا۔ ہم نے تمہارا علاج شروع کر دیا اور تم شفایاب ہو گئے۔ دیکھو اگر تم نے کسی پر اس واقعہ کو ظاہر کر دیا تو پھر ویسے ہی ہو جاؤ گے جیسے اُس دن تھے بلکہ اس سے بھی بدتر

حالت ہو جائیگی اور پھر تمہارا کوئی سنبھالنے والا بھی نہ ہوگا، ہمارا اصلی کام یہی ہے جیسا حکم ملتا ہے ویسا کرتے ہیں، آری بسولہ دُنیا کے دکھانے کو لئے پھرتے ہیں، تمہارا یہ مرض جسمانی نہیں تھا طبیب بیچارے کیا کرتے۔ یہ تو اک بلا علی گڑھ سے تم اپنے ساتھ چپٹا کر لائے تھے۔ دیکھو اب گائے بھینس کڑے وغیرہ کا گوشت کھانا ترک کر دو اور مچھلی تو کبھی عمر بھر نہ کھانا، ہاں بکری کا گوشت کبھی جی چاہے تو کھا سکتے ہو۔ اب تم ہمارے پاس صبح کو مسجد میں آتے رہو کہنا مانو گے بھلا ہوگا نہ مانو گے اپنے کئے کو بھرو گے۔

دوسرے دن سے میں اُن کی خدمت میں حاضر ہونے لگا۔ پہلے ہی دن سوال کیا۔ صبح کی نماز کے بعد قرآنِ مجید کے کتنے پارے پڑھا کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ چار پانچ پارے روزانہ پڑھنے کا معمول ہے۔ فرمایا اتنے نہیں ایک پارہ پڑھا کرو۔ میں نے بہت اچھا تو کہہ دیا مگر چون و چرا کی ہمت نہ ہوئی۔ خود ہی غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہونچا کہ اس طرح جلدی جلدی بے سمجھے بوجھے آدھے پون گھنٹہ میں چار پانچ پارے پڑھ لینا تو کوئی معنی نہیں رکھتا۔ یہ کتاب تو عالم کے نظام کا قیامت تک کے لئے ایک دستور العمل ہے، اس کو سمجھ کر پڑھنا چاہیئے اور پھر اس پر عمل بھی کرنا چاہیئے۔ یہ خیال آتے ہی تاج کمپنی لاہور کو خط لکھا اور اک حسین مترجم حمائل شریف کی فرمائش کر دی۔ وہاں سے ایک ہفتہ کے بعد

مولوی فتح محمد صاحب سیالکوٹی کے ترجمہ کی حمائل شریف بذریعہ وی پی آگئی ترجمہ بامحاورہ سلیس اُردو میں تھا، اب جو قرآن پاک سمجھ کر ترجمہ کے ساتھ پڑھنا شروع کیا تو تلاوتِ کلامِ الٰہی کی دُنیا ہی بدل گئی۔ اور اعلانِ قرآن کریم لَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ" حرف بحرف صحیح ثابت ہو گیا زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کا اس میں ذکر نہ ہو، ابتدائے آفرینش سے لیکر اب تک کی حیاتِ انسانی کی مکمل تاریخ ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا دنیا میں تشریف لانا ان کا اپنی امتوں کو ڈرانا، اُمتوں کا نافرمانی کرنا اور نتیجہ میں برباد ہونا سب کچھ وضاحت کے ساتھ درج ہے اشریعت کے طریقت کے معرفت کے حقیقت کے سارے ہی سبق اس میں ملتے ہیں، فارسی نے ترجمہ سمجھنے میں کافی امداد کی، ساٹھ سالہ متواتر تلاوتِ قرآن پاک نے بڑی حد تک جہالت کی تاریکی کو دُور کیا، مگر یہ شکایت اپنے ضمیر سے آج تک موجود ہے کہ فارسی کے بجائے اختیاری مضمون عربی کیوں نہ لیا تھا یا حفظِ قرآن کے بعد ہی اسلامی عربی مدارس کی طرف کیوں توجہ نہ کی تھی۔ لیکن اب پچھتائے کیا ہووت جب چڑیاں چُن گئیں کھیت"!

یہ قطب صاحب میرے محلہ کے ایک بزرگ تھے، ان کا اسم گرامی حمایت اللہ تھا مگر شہر کا ہر فرد بچہ ہو یا بوڑھا ان کو قطب کے نام سے خطاب کرتا تھا۔ درحقیقت وہ قطبِ وقت تھے اور فیض اللہ شاہ صاحب عرف فجو شاہ صاحب سے بیعت تھے جن کا مزار محلہ بیگم سرائے کلاں

میں ہے، اُن کی قطبیت سے کوئی شخص واقف نہ تھا، مجھ سے انہوں نے
ایسا عہد لے لیا تھا کہ اُن کے وصال کے بعد پچیس برس تک بھی مجھے کسی سے
اس واقعہ کے بیان کرنے کی جرأت نہ ہوئی، نجاری ان کا آبائی پیشہ تھا
ایسی وضع قطع میں رہتے کہ کسی کو گمان بھی نہ ہو کہ ایسی باکمال شخصیت ہیں۔
سنہ ۱۹۱۹ء سے سنہ ۱۹۳۳ء تک ہر روز صبح کو میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا جب
اُن کے وصال کا وقت آیا تو میں نے اُن سے پوچھا کہ آپ کے بعد یہ فیوض و برکات
و تعلیمات کہاں حاصل ہوں گی، فرمایا ہمارے بعد شاہ علاء الدین صاحبؒ
کی خدمت میں حاضر ہوتے رہنا اور اُن کے بعد حضرت عبدالرحمٰن مکی شاہ
صاحب کی خدمت میں جانا۔ یہ فرما کر دوسرے یا تیسرے روز واصل بحق ہو گئے
نور اللہ مرقدہٗ۔

اہل و عیال سے تعلقات عمداً ایسے رکھتے کہ وہ سب اُن کو فالتو سمجھتے، اپنا کھانا اپنے ہاتھ سے پکاتے اور غالباً یہ سب باتیں اس لئے تھیں، کہ اہل دنیا ان کو دق نہ کریں اور اُن کا وقت خراب ہو، مکاشفات کا عالم حیرت انگیز تھا جس کے لئے دفتر چاہئیں۔

حصول ملازمت بیماری سے فراغت پا کر روزگار کی تلاش تھی کہ ایک سرکاری مراسلہ ٹائپ شدہ چیف کمشنر اجمیر کے دفتر سے صادر ہوا یہ مراسلہ غالباً ایک درخواست کا جواب تھا جو بابو عبدالعزیز صاحب

ساکن محلہ ملّانہ نے جو کمشنر صاحب کے دفتر میں ہیڈ کلرک تھے میری طرف سے بغیر میرے علم کے دیدی تھی۔ مراسلہ کا مضمون یہ تھا کہ تمہارا تقرر گورنمنٹ پریس میں بحیثیت پروف ریڈر کوہ آبو پر کر دیا گیا ہے چالیس روپیہ ماہوار تنخواہ اور پانچ روپے سالانہ ترقی ہو گی۔ جلد سے جلد کوہ آبو جا کر اپنے عہدہ کا چارج لے لو۔ یہ مراسلہ دیکھ کر طبیعت بہت خوش ہوئی اسے لے کر فوراً حضرت قطب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور آبو جانے کے ارادہ کا اظہار بھی کر دیا فرمانے لگے کیا آبو ہمیں تو تمہارا روزگار امروہہ میں ہی چلتے پھرتے نظر آرہا ہے، وہاں مت جاؤ۔ میں نے گورنمنٹ سروس کی اہمیت بتائی اور کوشش کی کہ وہ اجازت دیدیں مگر بے سود۔ پھر وہاں سے آکر والدہ سے تذکرہ کیا۔ سنتے ہی فوراً منع کر دیا اور کہا کہ اتنی دور مت جاؤ۔ میں نے بہت سمجھایا کہ سرکاری ملازمت ہے سالانہ ترقی ہے، چالیس روپیہ ماہوار سے شروع ہے علاوہ ازیں بابو عبدالعزیز صاحب کو جنہوں نے میرے لئے کوشش کی ہے میرے نہ جانے سے رنج ہوگا اور میں وہاں دو مرتبہ رہ بھی آیا ہوں۔ بولیں یہاں بھی تو تم پڑھانے جاتے ہو، یہاں کتنا کما لیتے ہو۔ میں نے کہا یہاں چار ٹیوشن ہیں پانچ پانچ روپیہ ماہوار کے۔ بولیں بیس روپے ہو گئے۔ گھر کی آدمی باہر کی ساری کی برابر ہوتی ہے۔ میں نے کہا، کہاں یہ عارضی ٹیوشن کہاں گورنمنٹ کی مستقل

ملازمت، پھر سالانہ ترقی اور پنشن۔ میں نے جتنا جانے پر اصرار کیا اتنا ہی ان کا انکار شدت پذیر ہوتا گیا اور آخر رونے لگیں۔ والد صاحب قبلہ بھی قریب ہی بیٹھے تھے فرمانے لگے کیا ان کو رُلا کر جانے کا ارادہ ہے یہ سُن کر میں وہاں سے اُٹھ گیا اور دروازہ میں آکر سب کاغذات پھاڑ ڈالے اور آبو جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ شرم کی وجہ سے دوسرے روز قطب صاحب کی خدمت میں بھی حاضر نہ ہوا۔ اگلے روز مسجد میں گیا تو دروازہ ہی میں تھا کہ دُور سے دیکھ کر بولے "میاں کیا آبو ہو آئے۔ یہاں آؤ اور دیکھو ایک ہفتہ میں کیا ہوتا ہے"۔ پورا ہفتہ نہ گزرنے پایا تھا کہ ایک روز سید التقی حسن صاحب مینجر امام المدارس کا چپراسی آیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ مینجر صاحب نے آپ کو یاد فرمایا ہے میں نے جواب دیا کہ کل صبح سات بجے حاضرِ خدمت ہو جاؤں گا۔ چپراسی چلا گیا اور میں حسبِ وعدہ وقتِ مقررہ پر اُن کی خدمت میں حاضر ہو گیا وہ میرے منتظر بیٹھے تھے۔ فرمانے لگے کہ آپ نے اس مدرسہ میں تعلیم پائی ہے کیا مدرسہ کا آپ پر کوئی حق ہے میں نے عرض کیا ضرور ہے تو بولے کہ اس وقت مدرسہ آپ کی امداد کا محتاج ہے صورتِ حال یہ ہے کہ گورنمنٹ نو سے روپے ماہانہ گرانٹ دیتی تھی۔ مدرسہ کو روبزوال دیکھ کر اس نے وہ گرانٹ بند کر دی ہے اور اب یہ حال ہے کہ تیرے، چھٹے، پانچویں چھٹے، ساتویں، آٹھویں چھ درجوں

ہیں صرف ۳۵ طالب علم پڑھ رہے ہیں، مدرسہ میں نو دس استاد ہیں پھر
چپراسی کلرک مہتر پورا عملہ ہے مدرسہ آخری سانس لے رہا ہے
اگر آپ کا مدرسہ میں تقرر ہو گیا تو مجھے اللہ کی ذات سے امید ہے
کہ میری اسکیم کامیاب ہو جائے گی۔ میں نے یہ سارا حال سن کر عرض کیا
کہ بندہ حاضر ہے، اس پر فرمایا کہ مدرسہ آپ کو تنخواہ کچھ نہ دے گا
صرف بیس روپے ماہوار آپ کو پان کھانے کے لئے دیئے جائیں گے اور
جس وقت گورنمنٹ گرانٹ بحال کر دے گی تو اسی مہینے سے آپ کی تنخواہ
تیس روپیہ ماہوار کر دی جائے گی۔ شہر میں ٹیوشن آپ کتنے ہی کریں مدرسہ
کو اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ اسکول اب حکیم سلیم اللہ مرحوم کے دیوانخانے
محلہ کوٹ میں منتقل ہو گیا ہے کیونکہ گورنمنٹ نے امام باڑہ یا کسی بھی
مذہبی عمارت کو اسکول بنانے کی اجازت نہیں دی ہے لیجئے یہ
یہ درخواست آپ کی طرف سے لکھی ہوئی رکھی ہوئی ہے اس پر دستخط
کر دیجئے اور کل صبح سے اسکول میں تشریف لے آیئے، دوسرے روز میں
اسکول گیا اپنا نام درج رجسٹر دیکھا اس پر دستخط کئے اور ہیڈ ماسٹر صاحب
سے ضروری ہدایات پا کر کام شروع کر دیا۔ اب شہر میں میرے اسکول میں
تقرر ہونے کی خبر ہوتے ہی اہل شہر اسکول کی طرف متوجہ ہوئے۔ اپنے
بچوں کو تعلیم کے لئے بھیجنے لگے۔ تین مہینہ میں طلبار کی تعداد پچھتر ہو گئی

اور گورنمنٹ نے وہ پہلی گرانٹ بھی بحال کردی، تیسری تنخواہ کے مجھے تیس ۳۰ روپے ملے، اب ایک روز حضرت قطب صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ کتنا کما لیتے ہو، میں نے عرض کیا کہ چار روں ٹیوشن پہلے کے موجود ہیں اور تیس ۳۰ روپے اسکول سے ملتے ہیں پچاس روپے ایک مہینے میں حاصل ہو جاتے ہیں، بولے وطن میں اپنے والدین کے سایہ میں یہ پچاس روپے اچھے ہیں یا کوہ آبو کے چالیس روپے، وہ بھی پردیس میں اپنے اعزا و احباب سے دور۔

چار شادیوں کی پیشین گوئی

مدرسہ میں تقرر کے تھوڑے ہی دن بعد ایک ہفتہ شدید بخار میں مبتلا رہ کر رفیقۂ حیات کا انتقال ہو گیا، داغ مفارقت سے متاثر میں حضرت قطب صاحب کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا، فرمانے لگے تم تو ایک ہی بیوی کے رنج میں اتنے مغموم ہو تمہاری چار شادیاں ہوں گی چنانچہ سنہ ۱۹۲۰ء میں دوسرا عقد ہوا، تیسرے سال دوسری اہلیہ کا بھی انتقال ہو گیا اور سنہ ۱۹۲۳ء میں تیسری شادی ہوئی وہ بیوی بھی دس برس حیات رہیں، تین لڑکے اُن کے بطن سے وجود میں آئے، ایک کا تین سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ محمد حسین اور احمد حسین سلمہما دو لڑکے اُنہوں نے اپنی یادگار چھوڑے محمد حسین پاکستان جا کر سنہ ۱۹۵۰ء میں داغ مفارقت دے گئے۔ اب احمد حسین سلمہٗ اُن کی یادگار باقی ہے۔ سنہ ۱۹۳۳ء میں اس تیسری بیوی نے بھی مفارقت دوام اختیار کی اور اس سال کے آخر میں چوتھی شادی حاجی ممتاز احمد مرحوم محلہ قریشی دہلی

ہوئی اب یقین آیا کہ واقعی حضرت قطب نے صحیح فرمایا تھا۔ چاکشادیاں کررہیں اسی سال حضرت قطب نے بھی رحلت فرمائی۔ نوراللہ مرقدہٗ

جلسۂ نعت خوانی کا انعقاد حضرت قطب رح کی عادت تھی کہ ہر صبح ایک مٹی کے ظرف میں پانی بھر کر اُسے مسجد کی دیوار پر رکھ دیتے، چڑیاں اس سے دن بھر سیراب ہوتیں۔ یہ ظرف مسجد کے سقایہ پر چڑھ کر دیوار پر رکھا جاتا تھا۔ ایک روز سقایہ پر سے ان کا پیر پھسلا اور مسجد کی چوڑی نالی میں اسطرح گرے کہ کولھا اُتر گیا مسجد کے فرش پر دراز ہو گئے کسی شخص سے کہا کہ عبدالرؤف کو بلا دو۔ سنتے ہی میں فوراً مسجد میں گیا مجھ سے فرمایا کہ کہاروں کو لے آؤ۔ اور ڈولی میں بٹھا کر اپنے مکان پر لے چلو۔ میں ان کو غریب خانہ پر لے آیا۔ مکان کے ایک گوشہ میں اپنا مصلیٰ بچھوایا اور اس پر لیٹ گئے اور مجھے حکم فرمایا کہ محلہ کٹکوئی میں علی نام کا ایک سقہ رہتا ہے مرہم پٹی کا کام کرتا ہے اُس کو بلا لاؤ۔ میں فوراً گیا اور اس کو اپنے ہمراہ لے آیا وہ اپنے فن میں بڑا ماہر تھا اور حضرت قطب صاحب سے پہلے ہی سے بے تکلف بھی اس نے بڑی ہوشیاری سے اُن کا علاج شروع کیا بارہ تیرہ دن تک وہ برابر آیا کیا۔ اور بالآخر ان کا کولھا چڑھ گیا۔ میں نے اُن کی دیکھ بھال کی اور تیمارداری کے فرائض حسبِ استطاعت انجام دیئے۔ علاج کے آخری دن دالان میں

چل کر اُنھوں نے اپنے کو لھے کی جانچ کی اور اس کی طرف سے مطمئن ہو کر
مجھ سے فرمایا جاؤ تمہاری تفریح کا سامان ہو گیا اور جب تک زندہ
ہو تفریح کئے جاؤ۔ اور اب تفریح کے لئے تمہیں کہیں آنے جانے کی ضرورت
نہیں۔" میں اس تفریح کو سمجھ نہ سکا اور نہ اس کے سمجھنے کی کچھ فکر کی بظاہر
تو یہ وقتی بات تھی جو اُسی وقت ختم ہو گئی مگر آٹھ دس روز بعد دو شخص میرے
پاس آئے ایک کا نام محمود علی تھا اور دوسرے کا چھدا۔ محمود علی صاحب
میرے دُور کے ایک رشتہ دار بھی تھے، مجھ سے فرمانے لگے کہ یہ چھدا نعت خوانی
میں میرا شاگرد ہونا چاہتا ہے۔ مگر اس مقدس تعلیم کے لئے مناسب مقام
سمجھ میں نہیں آتا۔ سڑک پر پلنگ بچھا کر نعت خوانی کی توہین ہے۔ مسجد میں
نمازی اجازت نہیں دیں گے آپ کا یہ نیا مکان اچھا معلوم ہوتا ہے
اگر آپ اجازت دیں تو بعد نمازِ جمعہ ہم یہاں بیٹھ کر یہ مشغلہ کر لیا کریں۔ پان
چھالیہ فرش وغیرہ کا سب انتظام یہ چھدا کریں گے آپ سے تو صرف
اجازت چاہئے۔

میرے ایک چھوٹے بھائی تھے جن کا نام مرزا برکت اللہ بیگ
تھا۔ نہایت سعادتمند خدمت گزار اور ہونہار تھے۔ دو تین ہفتہ پہلے
آٹھ روز بیمار رہ کر پچیس سال کی عمر میں اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔
نہ میرے کوئی اولاد نرینہ تھی نہ اُن کے کوئی بچہ تھا، اُن کا یہ سانحہ ارتحال

میرے لئے بہت ہی جانکاہ اور ناقابلِ برداشت تھا۔ اس نئے مکان کی تعمیر مجھے فعلِ عبث معلوم ہو رہی تھی، دنیا سے دل بالکل برداشتہ ہو چکا تھا، اس ماحول میں محمود علی صاحب کی درخواست پر میری زبان سے یہی نکلا کہ حضرت مکان آپ ہی کا ہے میرا نہیں ہے یہ سُن کر محمود علی صاحب بہت خوش ہوئے شکریہ ادا کیا اور دعائیں دیتے ہوئے چلے گئے۔ جمعہ کے دن جب میں نمازِ جمعہ سے فارغ ہو کر گھر آیا تو دیکھا کہ ایک خوبصورت جاجم بچھی ہوئی ہے اور وہ دونوں حضرات اپنے مشغلہ میں مصروف ہیں۔ چھالیوں کا بٹوہ اور پانوں کی ڈبیہ سامنے رکھی ہوئی ہے اور یہ نعت شریف ع

بوئے خلد یا نبیؐ دل کی

زیرِ مشق ہے۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کی مصروفیت کے بعد دونوں رخصت ہو گئے۔ اگلے جمعہ کو پھر یہی منظر دیکھا، اُس سے اگلے جمعہ کو بھی یہی صورت نظر آئی۔ جب اس شغل کے متعلق صاحبِ حال و قال ایک بزرگ نے جن کے روابط والدِ بزرگوار سے بہت دیرینہ تھے سنا تو بے تکلف بغیر کسی اطلاع کے ایک اور نعت خواں کو اپنے ساتھ لئے ہوئے غریب خانہ پر تشریف لے آئے اور محمود علی سے فرمایا کہ میاں اُستادی اور شاگردی اب ختم کرو میرے ہمراہ مرزا خلیل بھی آئے ہیں تینوں برابر برابر بیٹھ کر نمبردار نعت شریف

پڑھو۔ انہوں نے اُن کے ارشاد کی بطیبِ خاطر تعمیل کی۔ یہ بزرگ صوفی راحت علی صاحب کے دادا حافظ سخاوت علی صاحب مرحوم تھے۔ ہر جمعہ کو حافظ صاحب سب سے پہلے تشریف لے آتے پھر نعت خواں حضرات آجاتے اور یہ نعت خوانی کی محفل شروع ہو جاتی۔ اس جلسہ سے پہلے جب کبھی حافظ صاحب والد صاحب کے پاس تشریف لایا کرتے تھے تو چائے وغیرہ سے ان کی تواضع ضرور کی جاتی تھی۔ اسی انداز سے اب بھی جلسہ کے ختم پر ان کے لئے چائے آجاتی اور نعت خواں اور سامعین بھی اس میں شریک ہوتے وہ وضع اب تک جاری ہے۔ حافظ صاحبؒ جب تک حیات رہے ایسے ہی تشریف لاتے رہے اب نعت خوانوں میں رفتہ رفتہ اضافہ ہوتا گیا اور سامعین میں بھی۔ ابراہیم خاں مرحوم اور اُن کے ساتھ اُن کے دوست مخدوم صاحب بھی تشریف لاکر نعت خوانی کرنے لگے۔ غرض پانچ چھ ماہ میں جلسہ جم گیا جس کو اب ہوتے ہوئے ۵۵ سال ہو گئے اور اس طویل عرصہ میں ایک جمعہ بھی کبھی ناغہ نہ ہوا۔ یہ واقعہ کوثرِ رحمت میں اس طرح نظم ہو گیا ہے۔

جو موقع ہو تو بزمِ نعت خوانی میں چلے آنا
وہ جلسہ میرے اک شیخِ طریقت کی کرامت ہے

اُسے ہوتے ہوئے اب ہو چکے پچپن برس پُورے
میں ویسے ہی نہیں کہتا یہ تاریخی شہادت ہے
یقیں آتا نہ ہو تم کو اگر میری گزارش پر
تو آکر دیکھ لو سالِ بنا زیبِ عمارت ہے

قطعہ تاریخ

شد چو تیار در مہِ شوال ! کوشکِ آسماں قبابِ رؤف
لا اُبالی نگاشت سالِ بنا "کرد تعمیر تو جنابِ رؤف"
۱۳۴۲ھ

ایک روز حسبِ معمول درگاہِ میاں موج میں شاہ علاء الدین صاحبؒ سے ملاقات کے لئے حاضر ہوا وہاں پہلے سے کلیر شریف کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ شاہ صاحب میری طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے۔ میاں تم کبھی کلیر شریف نہیں چلتے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے صابر صاحب بلاتے ہی نہیں۔ بولے اور کس طرح بُلاتے ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ اگر اسی طرح بلاتے ہیں تو میں موجود ہوں۔ اس سال میں آپ کے ہمراہ ضرور چلوں گا۔ جب شاہ صاحب کے وہاں سے گھر آرہا تھا تو راستہ میں یہ خیال آیا کہ حضرت قطبؒ تو یہ فرما گئے ہیں کہ اب تعزیح کے لئے کہیں آنے جانے کی ضرورت نہیں اور شاہ صاحب کلیر شریف لے جا رہے ہیں۔ ان دونوں باتوں

میں تصادم کیا؟ گھر آکر اپنی اہلیہ سے کہا کہ میاں صاحب اس مرتبہ مجھے کلیر شریف لے جا رہے ہیں، ایک جوڑی کپڑے میرے نئے تیار رکھنا روانگی کی تاریخ سے پہلے میں میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا آپ کلیر شریف کس تاریخ اور کس وقت تشریف لے جائیں گے خادم ہمراہ ہوگا۔ فرمانے لگے میں تم سے نہیں کہتا تمہیں کہیں آنے جانے کی ضرورت نہیں۔

مژدۂ تصانیف غالباً ۱۹۳۰ء کا واقعہ ہے کہ میں نے ایک کتاب بزبانِ انگریزی جس میں ترکیبِ صرفی کرنا سکھایا گیا تھا تصنیف کی اور PARSING CHART اس کا نام رکھا، ماسٹر سید مختار حسین صاحب مدظلہٗ ساکن محلہ لکڑ منڈی سے اس کا پیش لفظ لکھوایا، طباعت کے لئے مکمل ہونے پر حضرت قطب رحؒ کی خدمت میں اجازت کے لئے حاضر ہوا سنتے ہی آنکھیں سرخ ہو گئیں غصہ آگیا اور فرمایا۔ "یہ نہیں چھپے گی ان کا زمانہ تو گیا بھی، اس ایک کی جگہ ہم دو چھپوائیں گے" چونکہ دھرا کا موقع نہیں تھا، کتاب لاکر طاق میں رکھ دی، انگریز یہاں سے سترہ سال بعد ۱۹۴۷ء میں رخصت ہوئے اور اُن کی پیشین گوئی صحیح ثابت ہو گئی۔ اب ہم دو چھپوائیں گے" کا واقعہ بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔ سید حبیب احمد صاحب اُفقی کاظمی مرحوم و مغفور اکثر جمعہ کے روز مجلس نعت خوانی

میں شرکت فرمایا کرتے تھے چونکہ عالم تھے شاعر تھے اور مداح رسول صلعم بھی تھے جب ایک نعت خواں صوفی سبحان بخش صاحب مرحوم نے میری ایک نعت شروع کی جس کا مطلع تھا ؎

اک آہ نکلتی ہے بیساختہ سینے سے
جب بادِ صبا پھر کر آتی ہے مدینے سے

تو سنتے ہی اُفق صاحب سے اک نعرہ سرزد ہوا اور اُن پر وجد کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ جلسہ ختم ہونے پر فرمانے لگے کہ ماسٹر صاحب اگر آپ کا یہ کلام چھپنے سے رہ گیا تو آپ امر دہہ پر بڑا ظلم کر جائیں گے، آپ کی زبان بہت سلیس اور عام فہم ہے۔ اسے طبع کرا دیجئے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت کلام کی ترتیب تدوین و طباعت کا سلیقہ اور صلاحیت مجھ میں قطعی نہیں ہے۔ تو فرمانے لگے کہ آپ مجھے وہ کاپیاں جن میں آپ کا کلام لکھا ہوا ہے دیدیجئے۔ یہ کام میں کروں گا، اگلے جمعہ کو میں نے اپنا تمام کلام ان کی سپرد کر دیا، اُنہوں نے جتنی تکلیف برداشت کی جتنی کاوش کی جتنا وقت صرف کیا اس کا اندازہ میں نہیں کر سکتا۔ اُنہوں نے سارے کلام کے دو حصے کئے، ایک حصہ میں نعت و مناقب رکھے دوسرے حصہ میں کلامِ مجاز رکھا جو اکثر مشاعروں میں میں پڑھ چکا تھا پہلے حصہ پر ایک بصیرت افروز مقدمہ فصیح و بلیغ عبارت میں سپردِ قلم کیا نطعاتِ تاریخ لکھے اور

اس حصہ کا تاریخی نام "نخلۂ محامد" رکھا جس سے سنِ طباعت تیرہ سو اٹھاون ہجری برآمد ہوتا ہے، دوسرے حصہ پر ایک طویل تبصرہ تحریر فرمایا کلام پر پُر مغز تنقید کی، قطعاتِ تاریخ لکھے اور جس کا تاریخی نام "گلرنگِ تخیل" تجویز فرمایا جس سے سنِ طباعت اُنیس سو چالیس عیسوی نکلتا ہے۔ پہلا حصہ ۱۹۳۹ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا اور دوسرا ۱۹۴۰ء میں منظرِ عام پر آیا، اس طرح ہم دو چھپوائیں گے" کا ارشاد بھی پورا ہو گیا۔

گھبرانا مت فتح تمہاری ہی ہو گی

۱۹۳۳ء ایسا صبر آزما پریشان کن اور روح فرسا سال تھا کہ اس کا خیال مجھے حضور اکرم سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ حیات کے عام الحزن کی یاد دلا دیتا ہے۔ اس سال حضرت قطب علیہ الرحمہ کا وصال ہوا، تیسری رفیقۂ حیات راہیِ ملکِ بقا ہوئیں اور اڑتیس سالہ دورِ ملازمت کا سب سے زیادہ الم انگیز واقعہ پیش آیا جس کی صورت یہ ہوئی کہ سید معجز حسین صاحب ساکن محلہ بنگلہ کے صاحبزادے سید اعجاز حسن سابق مینجر صاحب امام المدارس کے ہونے والے داماد ٹریننگ کر کے آ رہے تھے اُن کو فکر ہوئی کہ داماد کو مدرسہ ہی میں ملازمت مل جائے تو بہتر ہے۔ مینجنگ کمیٹی کے ممبروں میں آدھے ممبر صرف محلہ بنگلہ کے تھے۔ اور آدھے شہر کے۔ اپنے

محلہ کے ممبروں کے سامنے منیجر صاحب نے اپنی یہ تجویز پیش کی تو سب کو یہ فکر ہوئی کہ مدرسہ کے کس اُستاد کو برخاست کیا جائے تاکہ ان کے داماد کے لئے جگہ خالی ہو۔ انگلش اسٹاف میں صرف میں ہی ٹرینڈ کئے ہوئے نہیں تھا اور میری ہی پوزیشن ایسی تھی کہ وہ آسانی سے مجھے برخاست کر سکتے تھے۔ چنانچہ ممبران اہلِ بگلہ میرے ساتھ ایسا سلوک کرنے لگے جس سے مجھے ملازمت کی طرف سے خطرہ محسوس ہونے لگا۔ حضرت قطب علیہ الرحمہ مرض الموت میں مبتلا ہو چکے تھے۔ میں اُن کی مزاج پُرسی کے لئے اُن کے دولت خانہ پر حاضر ہوا میرے چہرہ پر کچھ پریشانی کے آثار نمایاں تھے۔ جواب سلام دیکر فرمانے لگے، پریشان کیوں ہو کیا بات ہے، میں نے عرض کیا کہ اسکول نے کچھ احسان فراموشی کی ہے۔ کہنے لگے "گھبرانا مت فتح تمہاری ہی ہوگی" اُسی روز شب میں اُن کا انتقال ہو گیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ط

اپنے اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ہیڈ ماسٹر صاحب نے جو اہلِ بگلہ ہی میں سے تھے مینجنگ کمیٹی کے سامنے اپنی یہ تجویز پیش کی کہ چونکہ ماسٹر عبدالرؤف ٹرینڈ نہیں ہیں، کھیلوں میں دلچسپی نہیں لیتے۔ کارہائے منصبی اچھی طرح انجام نہیں دیتے اسکول سے ہمدردی نہیں رکھتے۔ ٹیوشن بہت کرتے ہیں۔ غرض ایسے ایسے بارہ چودہ الزام لگا کر کمیٹی سے درخواست کی کہ ان کو برخاست کر کے

کسی ٹرینڈ ٹیچر کا تقرر کیا جائے۔

اُس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ کمیٹی اپنے اختیار سے اُستادوں کا تقرر اور برخاستگی عمل میں لاتی تھی اور انسپکٹر مدارس سے اس کی منظوری حاصل کر لیتی تھی۔ چونکہ شہر کے ممبروں کو اہلِ بنگلہ کے اس منصوبہ کی خبر نہ تھی اور میرے کردار سے خوب واقف تھے اس لئے اُنھوں نے ہیڈ ماسٹر صاحب کے اس رزولیوشن کا یہ جواب دیا کہ صرف آپ کے الزامات پر برخاست کر دینا انصاف کے خلاف ہے مناسب یہ ہے کہ ملزم کو ان الزامات کے جوابات دینے کے لئے کچھ مہلت دی جائے۔ اگر جوابات اطمینان بخش نہ ہوں تو برخاستگی ممکن ہے چنانچہ اتفاق رائے سے کمیٹی نے ملزم کو جوابدہی کے لئے موقع دیا جانا منظور کر لیا۔

موسمِ گرما کی تعطیل کے لئے مدرسہ بند ہو چکا تھا۔ جمعہ کا دن تھا نعت خوانی کا جلسہ ختم ہو چکا تھا میں فرش اُٹھا رہا تھا کہ نصیر حسن مرحوم اسکول کے چپراسی نے مجھے ایک لفافہ دیا اور اس کی رسید مجھ سے لے لی اور چلے گئے۔ فرش اُٹھا کر وہ لفافہ میں نے کھولا اس میں سے میرے نام ایک نوٹس برآمد ہوا جس میں میرے خلاف ایک باقاعدہ فردِ جرم تھی اور پیشتر چودہ بے بنیاد

الزامات لگا کر برخاستگی کی دھمکی بھی دی گئی تھی اور ایک ہفتہ ان الزامات کے جوابات دینے کے لئے بھی دیا گیا تھا۔ نوٹس دیکھ کر میں پریشان ہو گیا والد صاحب نے میرے چہرے پر پریشانی کے آثار دیکھ کر پوچھا کیوں پریشان ہو کیا معاملہ ہے؟ میں نے انھیں نوٹس کا مضمون بتایا فرمانے لگے نوکری کا کیا اعتبار، گھبراؤ نہیں اللہ خیر الرازقین، تمہیں جوابات کے لئے مہلت دی گئی ہے۔ سوچ سمجھ کر جوابات دو، کسی اپنے ہمدرد معاصر استاد سے امداد و مشورہ لو۔ پریشان مطلق نہ ہو، اُن کے سمجھانے سے بہت تسکین ہوئی بعد نمازِ مغرب اپنے معمولات سے فراغت کے بعد میں ماسٹر تقی الدین مرحوم کے پاس گیا اور وہ نوٹس ساتھ لیتا گیا، نوٹس دیکھ کر وہ بھی گھبرا گئے اس لئے کہ میرے بعد نمبر انھیں کا تھا۔ کہنے لگے آج تم ہو کل ہم ہیں۔ جوابات دیں گے گھبراؤ نہیں۔ اگلے دن سے جوابات لکھنا شروع کر دیئے۔ کئی سال کے اپنے نتائج دکھلائے جو پچانوے فیصدی پچاسی فیصدی اور اسّی فی صدی تھے اپنے اسکول میں بہت سے رجسٹر خفیہ طور پر دیکھے گئے اور صحیح اعداد و شمار حاصل کئے گئے۔ ایک الزام کا جواب یہاں قابلِ ذکر ہے۔ الزام تھا کہ اسکول سے ہمدردی نہیں رکھتے جواب تھا کہ ایک سال میں چودہ اتفاقیہ چھٹیاں لینے کا ہر استاد کا حق ہے تیرہ سال ملازمت کو ہو چکے تھے اس طرح ایک سو بیاسی (۱۸۲) چھٹیاں اتفاقیہ لینے کا حق تھا مگر رجسٹر

حاضری دیکھنے سے پتہ چلا کہ تیرہ سال میں صرف سات اتفاقیہ چھٹیاں لی ہیں۔ پونے دو سو اتفاقیہ چھٹیاں اسکول پر قربان کر دی ہیں اور کوئی دوسری قسم کی چھٹی کبھی ذہن میں بھی نہیں آئی۔ ایک ہفتہ گزرنے کے بعد ہیڈ ماسٹر صاحب کے مندرجہ بالا نوٹس کے الزامات کے جوابات داخل کر دیئے گئے۔ کمیٹی کا جلسہ پھر منعقد ہوا۔ الزامات کے جوابات پڑھے گئے سید نبی ہادی صاحب مرحوم۔ سید افسر حسن صاحب وکیل مرحوم، ماسٹر سید مختار حسین صاحب مدظلہ اور شہر کے دیگر ممبران نے غور سے سنے جب یہ جواب مذکورہ بالا سنا تو بیک زبان سب نے فرمایا کہ ایسے مخلص کارگزار استاد کے خون میں ہم ہاتھ نہیں رنگ سکتے۔ ان کے کاغذات عرضی دعویٰ اور جوابدہی دونوں انسپکٹر صاحب مدارس کی خدمت میں ارسال کر دیئے جائیں اگر وہ قابل برخاستگی سمجھتے ہیں تو برخاست کر دیں گے ہمارا ضمیر تو ان کو برخاست کرنے کی اجازت نہیں دیتا چنانچہ یہ طے پایا کہ یہ معاملہ انسپکٹر مدارس کے سپرد کر دیا جائے اور کمیٹی برخاست ہو گئی۔

سارے اسٹاف میں سے صرف ایک ماسٹر سید سبط حامد صاحب نوٹس کا حال سن کر میرے پاس آئے میری ہمت بندھائی اور مجھے شہر کے ممبروں کے پاس لے گئے ان کے سامنے اہل بنگلہ کے اس منصوبہ کا انکشاف کیا اور اُن کی خود غرضی ثابت کی کمیٹی کے اس فیصلہ کے دوسرے دن میں ماسٹر سید

مختار حسین صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ چھوٹتے ہی فرمانے لگے اب تم انسپکٹر صاحب کے پاس چلے جاؤ اُن کو ان سب حالات سے باخبر کر دو۔ وہ تم سے ہمدردی کریں گے۔ چنانچہ دوسرے ہی دن میں بریلی جاکر انسپکٹر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا میرے پاس ان کاغذات کی نقلی تھی ان کے سامنے پیش کی۔ کہنے لگے ہمیں اپنا واقعہ زبانی سمجھاؤ ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔ میں نے اچھی طرح اہل بنگلہ کی اس سازش کو بے نقاب کیا۔ کمیٹی کا سب حال سنایا سنکر ہیڈ کلرک کو بلایا اور پوچھا کیا ان کے کاغذات امروہہ سے ہمارے دفتر میں آگئے ہیں، اُنہوں نے کہا ابھی نہیں آئے اب میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ تم گھبراؤ نہیں تم برخاست نہیں ہو سکتے۔ ہم معائنہ پر تمہارا کام دیکھیں گے تم اسی طرح کام کئے جاؤ۔

میں نے وہاں سے آکر ماسٹر سید مختار حسین صاحب مدظلہ کو سارا حال سنایا۔ سُن کر بہت خوش ہوئے۔

اب ہیڈ ماسٹر صاحب نے میرے کاغذات بذریعہ ڈاک ارسال کرنا مناسب نہ سمجھا بلکہ اپنے ساتھ سکریٹری صاحب اور منیجر صاحب کو بھی لیا اور تینوں کے تینوں حضرات بہ نفسِ نفیس کاغذات لے کر بریلی تشریف لے گئے اور انسپکٹر صاحب کی خدمت میں میرا معاملہ پیش کیا۔ اُنھوں نے

فرمایا کہ یہ شخص تو ہم سے مل بھی گیا اور کمیٹی وغیرہ کے سارے واقعات سے بھی ہمیں باخبر کر گیا دیکھئے ایسے مخلص کارگزار کو ایسے ایسے پوچ الزامات لگا کر برخاست کرنا۔ انصاف کا خون کرنا ہے۔ تیرہ سال یعنی اپنی عمر کے سب سے اچھے دن اس نے آپ کی خدمت میں گزارے اور اب اپنی ایک غرض کے تحت آپ اسکو نکال رہے ہیں۔ میں سالانہ معائنہ پر امروہہ آؤں گا اور اس شخص کا کام دیکھوں گا۔ اس وقت اس کو میں برخاست نہیں کر سکتا دو ٹیوشن کی جگہ ایک ٹیوشن کی اجازت ہے بس۔ اپنا سا منہ لے کر تینوں صاحب واپس تشریف لے آئے اور مجھ کو اطلاع دیدی کہ آپ کی برخاستگی معرض التوا میں ڈال دی گئی اور آپ کو اس سال دو کے بجائے صرف ایک ٹیوشن کی اجازت ہے۔

سالانہ معائنہ پر انسپکٹر صاحب تشریف لائے۔ میرے درجہ میں آئے میری ڈائری دیکھی، طالبعلموں کی کاپیاں ملاحظہ فرمائیں اور ان میں مطابقت دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ میری پشت پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ تم اسی طرح کام کئے جاؤ، تم تو پیدائشی استاد ہو، تمہیں کوئی برخاست نہیں کر سکتا۔

اعجاز حسین ٹریننگ کر کے آئے تو ان کے لئے درجہ ۵ کا دوسرا سیکشن کھولا گیا اور ان کا تقرر بھی عمل میں آیا مگر کچھ دن بعد وہ خود ہی اسکول سے بد دل ہو کر کہیں باہر چلے گئے اور ملازم ہو گئے اس طرح

مخالفین کی خود غرضی طشت از بام ہو گئی۔ اُن کا منصوبہ خاک میں مل گیا اور وہ اپنی اس حرکت پر اپنے دل میں بہت نادم ہوئے۔

اب مجھے حضرت قطب علیہ الرحمہ کا قول یاد آیا کہ "گھبرانا مت فتح تمہاری ہی ہوگی" سچ ہے قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید۔ ۱۹۳۳ء سے ۱۹۵۹ء تک چھبیس ۲۶ سال اور ملازمت کی اور اس طویل عرصہ میں اراکین مدرسہ میں سے کسی کو کبھی مجھ سے مخالفت کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ ۱۹۵۹ء میں عزت و آبرو کے ساتھ ریٹائرڈ ہوا۔ چھ ہزار روپے پراویڈنٹ فنڈ کے ملے جو ایک لڑکے اور لڑکی کی شادی میں صرف کر دیئے گئے۔

باغات کی ابتدا حضرت قطب علیہ الرحمۃ نے جس وقت تفریح کا مژدہ سنایا تھا تو قضا و قدر نے اس جلسۂ تفریح کے اجرار کا تواتر اور استحکام کا یوں انتظام فرمایا کہ ۱۹۳۰ء سے بغیر میرے کوئی قدم اٹھائے ہوئے اراضیات ملنا شروع ہوئیں اور ۱۹۳۳ء سے باغات لگنا شروع ہو گئے۔ ۱۹۴۰ء میں ایک سو اٹھارہ بیگہ کا قلمی باغ لگ کر مکمل ہو گیا۔ ۱۹۴۵ء سے باغات کی آمدنی شروع ہوئی ۱۹۶۷ء میں ایک لڑکے اور ایک لڑکی دو کی شادیوں کا موقع آیا تو بیس بیگہ باغ سولہ ہزار روپیہ میں فروخت کیا احسان کی شادیوں سے فراغت پائی۔ ۱۹۷۰ء میں جب سب سے چھوٹے خادم زادے کی شادی کا موقع آیا تو پینتالیس بیگہ باغ

۴۵ ہزار روپیہ میں فروخت کیا اور حسب منشا یہ آخری شادی کی۔ اب شریک حیات کا تقاضا ہوا کہ حج بیت اللہ کے لئے چھ ہزار روپے علیحدہ رکھ دیجیئے۔ ہم دونوں کو اس فریضہ سے سبکدوش ہونا چاہیئے۔ اب زیارت حرمین شریفین کی تڑپ بڑھنے لگی اور ۱۹۷۲ء میں حج کمیٹی کو دونوں کی طرف سے حج کی درخواست روانہ کر دی گئی مگر وہ درخواست نامنظور ہو گئی اور چونکہ اگلے سال باغ کی بہار نہیں آئی وہ سب روپیہ چھ ہزار کا چھ ہزار اُس خالی سال کی نذر ہو گیا۔ ۱۹۷۵ء خشکی کا ایسا سال آیا کہ آم درختوں پر انڈے کے قد کی برابر ہو ہو کر سوکھ گئے اور پھر درختوں کے جڑ سے سوکھنے کا نمبر بھی آ گیا۔ اطراف و جوانب سے خبریں ملیں کہ بعض بعض جگہ پورے پورے باغ سوکھ گئے۔ میرے باغ میں بھی ایک لنگڑے کا درخت سوکھا جس کی چالیس من لکڑی کٹ کر آئی اور سارا باغ خطرہ میں نظر آنے لگا۔ فوراً باغ میں بورنگ کرایا گیا، کرایہ کا انجن لا کر اس سے باغ کو سیراب کرنا شروع کیا گیا اور اپنے ذاتی انجن کی تیاری کا انتظام بھی شروع کر دیا گیا۔ دو تین درخت اور متاثر ہوئے پائے تھے کہ بارش کا موسم آ گیا۔ بورنگ کرایہ کا انجن اور ذاتی انجن کی تیاری میں جو کچھ پاس تھا سب صرف ہو گیا۔ اب ۱۹۷۶ء میں کیا بہار آتی۔ اس سال باغ سے کوئی آمدنی نہیں ہوئی۔ مجبوراً باغ کو جڑ

سے فروخت کرنے کا اعلان کر دینا پڑا۔ اور جلسۂ نعت خوانی کے پیشِ نظر باغ کو داؤں پر لگا دینے کا نمبر آگیا اور مجلسِ شوریٰ کی رائے سے چار ہزار روپیہ فی بیگہ کا اعلان کر دیا گیا، اعلان کے چوتھے روز ایک خریدار نے دو ہزار روپیہ فی بیگہ لگا دیئے اور کہا کہ باون بیگہ آپ کا باغ ہے ایک لاکھ چار ہزار روپیہ نقد لے لیجئے اور رجسٹری کرا دیجئے۔ میں نے اس کو منع کر دیا کچھ عرصہ بعد ڈھائی ہزار روپیہ فی بیگہ قیمت لگ گئی اور قریب قریب بیعانہ آنے ہی والا تھا کہ کسی شخص نے خریدار کو بہکا دیا، اب چونکہ قیمتیں لگ رہی تھیں قرض دام ملنے میں آسانی رہی۔ جوں توں وہ سال ختم ہوا اور ۱۹۷۷ء میں باغ میں بہار آئی اور فروری کے پہلے ہفتہ میں ساڑھے گیارہ ہزار روپیہ میں بہار فروخت ہو گئی۔ چھ ہزار روپیہ اب تک قرض ہو چکا تھا وہ فوراً ادا کیا اور باغ کے ایک صحیح راستہ کی خرید میں دو ہزار روپیہ خرچ کرنے پڑے "گلرنگِ تخیل" بارِ دوم کی کتابت ہو چکی تھی طباعت درپیش تھی اس کے خرچ کا اندازہ ایک ہزار پانسو روپے تھا وہ رقم الگ کر دی گئی اس کے علاوہ جو بچا وہ فروری مارچ اپریل مئی چار ماہ میں خرچ ہو گیا اور جون سے پھر پہلا سا عسرت کا دور شروع ہو گیا مگر بحمد اللہ نعت خوانی کے جلسہ پر کوئی اثر نہ ہونے پایا۔

باغ کی پریشانی نے جسم کو بہت متاثر کر دیا تھا اور اب ضعیفی بھی

روز بروز بڑھ رہی تھی تو کوئی خیال گمان نیت ارادہ حج کا دل میں نہ رہا تھا۔ اچانک جون ۱۹۷۶ء میں دیوانگی رنگ لائی اور حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کرم فرمایا کہ دنیا حیرت زدہ ہو کر رہ گئی۔

مدینہ منوّرہ سے طلبی کے محرکات

یہ حسرت ہے کبھی تو زندگی میں — کروں سیر گلستانِ مدینہ
کبھی حاصل مجھے بھی یہ شرف ہو — کبھی میں بھی ہو مہمانِ مدینہ
رؤفِ زار کی بھی عرض سُن لو
ہے اک مدت سے ارمانِ مدینہ

حج بیت اللہ کا سامان کب ہوگا بہم — ہائے مکہ کیطرف کس روز اُٹھیں گے قدم
کب بُلائیں گے مدینے میں مجھے شاہِ اُمم — کے بود یارب کہ رُو در شہرِ بطحا کنم
گہ بمکہ منزل و گہ در مدینہ جا کنم

چشمِ گریاں انھیں اسطرح منایا ہوتا — تو نے اشکوں کی جگہ خون بہایا ہوتا
وہ ترس کھا کے مدینہ مجھے بلوا لیتے — قاصد اس طرح مرا حال سُنایا ہوتا
میرے مولیٰ مجھے آنکھیں جو عنایت کی تھیں — اپنے محبوب کا روضہ بھی دکھایا ہوتا

جالیوں کو تھام کر کچھ ہم کرتے عرضِ حال — ہم بھی اپنا بخت اکدن آزما کر دیکھتے

دیکھتے جس جس طریقہ سے بھی ہو سکتا رؤف
دُور جا کر دیکھتے نزدیک آ کر دیکھتے

مدینہ کی زمیں پر میں اگر قسمت سے جا پہنچا
تو روضہ کی طرف جاؤں گا حالِ وجد میں کہتا

اے اُترا شہر کے نزدیک جا کر قافلہ میرا
برس مہماں نوازِ من بیا دستم بگیر آقا

منِ بیگانہ در شہرِ شمایم یا رسول اللہ

اُن کے در پہ مجھے لے جا کے کھڑا کر دیتی
تجھ سے اتنا بھی نہ اے گردشِ دوراں ہو سکا

جو نہ گئے کبھی رؤفؔ ہم ہیں وہ بد نصیب میں
ورنہ نبیؐ کا آستاں مرجع خاص و عام ہے

درِ رسولؐ ہی دیکھا نہ خانۂ کعبہ
رؤفؔ کچھ نہ مزے تم نے اس جہان کے لئے

میں حاضری کے شرف سے ہوں آج تک محروم
پیام آپ کا دُنیا کے نام آتا ہے

جب مدینے کو رخصت ہوا قافلہ دل بھی اُس بھیڑ کے ساتھ ہی ہو لیا
میں اکیلا کھڑا دیکھتا رہ گیا، سرورِ انبیاءؐ، سرورِ انبیاءؐ

کسی وقت نالے کسی وقت زاری کبھی محوِ حیرت کبھی غش پہ طاری
رؤفِ حزیں کو مدینے بلا لو، فراق اب نہیں ہے گوارا تمہارا

مدینے کو کبھی اے کاش سنتے رؤفِ خستہ جاں بھی جا رہا ہے

یہ سوچکر ہی مدینے مجھے بُلا لیتے کہ خار کی بھی ضرورت ہے گلستاں کیلئے

تڑپتا ہے دل دیکھنے کو مدینہ، درِ شہ پہ جانے کو جی چاہتا ہے!
اور اک بار تقدیر سے پہونچ جاؤں تو پھر کر نہ آنے کو جی چاہتا ہے

حسرتِ دید کی حسنِ یارب دیکھ لیں میری آنکھیں مدینہ

مدینے کے گلی کوچے، نبیؐ کا روضۂ اقدس
دکھا مجھ کو بھی اے سب کو برابر دیکھنے والے

مدینے جلد کے میں بھی روضۂ اقدس کے بوسے لوں
الٰہی غیب سے ہو جائے سامانِ سفر پیدا

مکّے سے سیر ہو تو مدینے چلو رؤفؔ
یہ آستاں رہے کبھی وہ آستاں رہے

کیونکر ہو مداوائے رؤفؔ جگر افگار
یہ ہند میں آپ انجمن آرائے مدینہ

سوئے طیبہ ہو جو گزر رضبا تو ادب سے کرنا یہ التجا
کہ رؤفؔ ہجر میں مر مٹا ہو نگاہِ لطف ذرا نبیؐ

ہائے سارا قافلہ طیبہ روانہ ہو چکا
چھوڑ کر مجھ کو یہیں میری مدد فرمائیے

اک آہ نکلتی ہے بدیا ختہ سینے سے
جب بادِ صبا پھر کر آتی ہے مدینے سے

ہے شب و روز وظیفہ مری آنکھوں کا رؤفؔ
روضۂ پاک کا دیدار میسر ہو جائے
اے کاش کبھی یوں بھی ہوتا وہ یاد ہمیں بھی فرماتے
اور ہم بھی کبھی طیبہ جاتے رہ رہ کے یہ حسرت ہوتی ہے

میری طرف سے صبا کچھ یہ التجا　　میں بھی کسی دن شہا حاضرِ دربار ہوں

آپ کی بندہ نوازی سے تو کچھ دور نہیں　　ہاں بُلانا ہی مرا آپ کو منظور نہیں
کونسی ایسی خطا ہے مری فرمائیے تو　　بندۂ عشق ہوں سرکش نہیں مغرور نہیں
آپ ہیں مالکِ کونین شفیعِ محشر　　اور میں جسکو کسی طرح کا مقدور نہیں
آپ سا تو کوئی خالق نے کیا ہی نہیں خلق　　آپ تو احمدِ مختار ہیں مجبور نہیں

سگِ درگاہ رؤف آپ کا مجرم قیدی
آپ کے سامنے موجود ہے مغرور نہیں

مدینہ منورہ سے طبلی

غالباً جون ۱۹۷۷ء کا دوسرا ہفتہ تھا کہ ایک روز تقریباً آٹھ بجے شب کے ایک بچے نے باہر سے آکر مجھ سے کہا کہ آپ کے پاس شجر الاسلام صاحب آئے ہیں، اُن کی کار کھڑی ہے اور آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ گرمی کی شدت تھی میں اپنے معمولات میں مصروف تھا، یہ کہلا بھیجا کہ اس وقت ملاقات مشکل ہے معافی چاہتا ہوں۔ بجائے اس وقت کے کل صبح سات بجے آپ کی خدمت میں آپ کے درِ دولت پر خود ہی حاضر ہو جاؤں گا۔ میرا خیال تھا کہ شاید شجر الاسلام صاحب باغ کی خریداری کے سلسلہ میں

تشریف لائے ہیں۔ کیونکہ میں اپنے باغ کے فروخت کرنے کا اعلان کر چکا تھا، وہ واپس ہو گئے اور دوسرے روز صبح ہی وقتِ مقررہ پر میں اُن کے دولت خانہ پر حاضر ہو گیا۔ وہ دیکھتے ہی چونک پڑے اور فرمایا آپ نے کیوں زحمت فرمائی، میں تو خود ہی حاضر ہونے والا تھا۔ غرض مجھ کو ایک کرسی پر بٹھا کر اندرون خانہ تشریف لے گئے۔ اور ایک لفافہ ہاتھ میں لئے ہوئے کمرہ میں داخل ہوئے اور مودبانہ استادہ کرسی پر ہاتھ رکھے ہوئے فرمایا، ماسٹر صاحب یہ ایک ایسے شخص کا خط ہے کہ جس نے کبھی آپ کو نہیں دیکھا۔ اور نہ آپ نے کبھی اسکو دیکھا ہے اور یہ میرا چوتھا بھائی ہے جس کا نام وقار الاسلام ہے۔ جب آپ میری ہمشیرہ خوشتر مرحومہ کو پڑھانے آیا کرتے تھے تو اُس وقت تک یہ پیدا بھی نہ ہوا تھا۔ پچھلے سال اس نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے انجینیرنگ کا امتحان امتیازی شان سے پاس کیا اور کچھ روز محکمہ پی ڈبلو ڈی میں کام کر کے مدینہ منورہ ہوائی جہاز سے روانہ ہو گیا۔ سعودی عرب میں ایسے لوگوں کی مانگ تھی فوراً ہی ایک فرم میں ملازمت مل گئی، اُس کا مستقر مکہ اور جدہ کے درمیان ہے مگر حتی الوسع نماز مسجدِ نبوی میں آکر پڑھتا ہے اُس کا یہ خط ہے جو میں آپ کو پڑھ کر سناتا ہوں۔

"جناب بھائی صاحب مدظلہٗ۔ میں ایک روز نمازِ عصر

پڑھ کر مسجد نبوی میں کچھ مراقب سا تھا کہ یکایک ایک آواز کانوں میں آئی کہ "عبدالرؤف کو اپنے صرفے سے مدینہ بلاؤ"۔ میں نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ یہ کون شخص ہیں۔ فوراً ہی پھر آواز آئی کہ "سیفی کے والد"۔ آپ ان حضرت کو یہ مژدہ سنا دیجئے کہ اللہ اور اس کے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کو مدینہ بلایا ہے میں اُن کے مصارف کے لئے ایک ڈرافٹ بھی ارسال کر رہا ہوں ان کی آمد و رفت کے تمام اخراجات میرے ذمہ ہیں"۔

یہاں تک خط پڑھ کے مجھ سے فرمایا کہ اب آپ سفرِ حج کی تیاری میں مصروف ہو جائیے، میں آپ کی خدمت میں ہدیہ مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

میں یہ سُن کر ایسا حیرت زدہ ہوا کہ ان کو اُس وقت کوئی جواب نہ دے سکا۔ اور عرض کیا کہ کل انشاء اللہ جواب دوں گا۔ چلتے وقت میں نے اُن کو یہ چار شعر سنائے جو دو سال پہلے ۱۳۸۵ھ کے درگاہِ میاں موج کے سالانہ نعتیہ مشاعرہ میں پڑھے تھے۔

آپ کی بندہ نوازی سے تو کچھ دُور نہیں
ہاں مگر نا ہی مرا آپ کو منظور نہیں
کونسی ایسی خطا ہے مری فرمائیے تو
بندۂ عشق ہوں سرکش نہیں مغرور نہیں

آپؐ ہیں مالکِ کونین شفیعِ محشر
اور نہیں جس کو کسی طرح کا مقدور نہیں
آپؐ سا تو کوئی خالق نے کیا ہی نہیں خلق
آپؐ تو احمدِ مختارؐ ہیں مجبور نہیں

اور پوچھا کہ آیا یہ طلبی ان اشعار ہی کا جواب تو نہیں ہے۔ اُنھوں نے بیساختہ فرمایا کہ یقیناً یہ طلبی آپ کی اس نظم کا ہی جواب ہے۔

سیفی سب سے بڑے خادم زادے ہیں جن کا احمد حسین نام ہے ان کے اور وقار الاسلام کے اور ان کے کل خاندان کے درمیان دوستانہ اور مخلصانہ مراسم و روابط قائم ہیں شعرا اچھا کہتے ہیں جس سے یہ خاندان اُن سے بہت مانوس ہے۔

حیرت کا یہ عالم تھا کہ گھر آکر بھی میں نے کسی سے اس واقعہ کا اظہار نہیں کیا۔ میری عمر اب چوراسی سال کی ہے۔ ساری عمر کا بیمار ہوں، ضعیفی اور بڑھاپا مجھ پر پوری طرح مسلط ہے، گائے وغیرہ کا گوشت اور مچھلی کھائے ہوئے تقریباً ۶۰ سال ہو گئے۔ صرف بکری کا گوشت ہفتہ میں تین مرتبہ میری غذا کا جزو ہے۔ ۱۹۶۲ء میں حج کے لئے مع اپنی اہلیہ کے میں نے درخواست بھیجی تھی مگر منظور نہیں ہوئی تھی۔ ان پانچ برس میں جو رہی سہی قوت تھی وہ بھی زایل ہو گئی، ایک نظر اپنی ضعیفی پر ڈالتا

تھا اور دوسری نظر سرکارِ دو عالم کی طلبی پر جس کا رونا عمر بھر رویا تھا۔

شجر الاسلام صاحب نے اب تک کوئی جواب نہ پاکر اپنے اور میرے ایک معتمد ماسٹر سید ضمانت علی صاحب کو میرے پاس بھیجا تاکہ میں اُن کو یہ بتا دوں کہ میں نے سفرِ حج پر جانا طے کر لیا یا نہیں؟ اس وقت ساجدیاں تیرے خادم زادے موجود تھے مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔

وارثِ خلد جو مر جائیں، جئیں تو غازی
اُن کے عشاق کا جب دیکھیے حال اچھا ہے

جب نادِ راہ تک کا انتظام بھی کر دیا گیا تو اور آپ کو کیا چاہیے۔ اب تنبذ بسم اللہ کیجیے۔ یہ سُن کر میں نے سفرِ حج کا مصمم ارادہ کر لیا اور شجر الاسلام صاحب کو کہلا بھیجا کہ وہ اپنی کارروائی شروع کر دیں۔ ۱۸ جون بائیس سو سات روپے کرایہ بھیجنے کی آخری تاریخ تھی انھوں نے وہ رقم بھیجدی اور میری ضروریات کی فراہمی میں مصروف ہو گئے۔

یہ خبر شہر میں مشہور ہوئی تو دوستوں کو خوشی ہوئی اور مبارکباد کے تحفے آنے لگے۔ اس موقع پر مولانا سید محمد عبادت صاحب کلیم امام جمعہ و جماعت اہلِ تشیع امروہہ نے سب سے پہلے یقین دہانی کی اور فرمایا کہ آپ ضرور مدینہ منورہ تشریف لے جائیں گے اور سرکارِ مدینہ نے واقعی آپ کو یاد فرمایا ہے مندرجہ ذیل اشعار اُن کی ہمت افزائی اور خلوص کے آئینہ دار ہیں جو انہوں نے میرے پاس ارسال فرمائے۔

محبت نے ایسا اُبھارا تمہیں — کہ محبوب نے خود بلایا تمہیں!
یہاں تک تم اُن کو پکارا کئے — کہ آخر اُنھوں نے پکارا تمہیں!
سدا کی ہے مدحِ رسولِ خدا — ہمیشہ یہی شغل بھایا تمہیں
بظاہر ہو تم ایک قطرہ مگر — دیا حق نے طوفانِ دریا تمہیں
خدا نے دیا مرشدِ بے بدل — بلا خوب ہی یہ سہارا تمہیں
رہے کاش ہم عاصیوں کا خیال — نظر آئے جب اس کا روضہ تمہیں

مبارک، مبارک، مبارک، رؤف
مدینے کی گلیوں میں پھرنا تمہیں

یہ خبر امروہہ سے باہر بھی پھیلی قرب و جوار کے دیہات و قصبات سے نکل کر مراد آباد، سنبھل میرٹھ اور دہلی تک پہونچی۔ دہلی کے قاری فرید احمد صاحب نے یہ خبر سنی تو مبارکباد کا ایک خط ذوق شوق سے بھرا ہو میرے پاس بھیجا جس میں لکھا تھا کہ دہلی کے چند اور نعت خوانوں کو لے کر میں امروہہ آؤں گا اور اس جلسہ میں شرکت کرنے کی سعادت حاصل کروں گا جس کی بدولت سرورِ کائنات سرکارِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے آپ کو یہ شرف بخشا ہے چنانچہ اسی ہفتہ کے جمعہ میں سات آٹھ اور نعت خوانوں کو لے کر دہلی سے امروہہ آپہونچے۔ جلسۂ نعت خوانی میں شرکت کی اور غیر معمولی

رونق پیدا کر دی۔ چلتے وقت مجھ سے فرمایا کہ آپ اپنے قافلہ سے ایک دن پہلے دہلی تشریف لائیں تاکہ اہلِ دہلی بھی آپ سے ملاقات کا شرف حاصل کر سکیں۔ میں نے اقرار کر لیا۔

مدینہ منوّرہ کو روانگی

۳ر اکتوبر ۱۹۷۷ء کو جہاز کی بمبئی سے جدّہ کو روانگی کی تاریخ تھی اور ایک ہفتہ پہلے حاجیوں کو بمبئی پہنچنا تھا اسلئے ۲۷ر ستمبر ۷۷ء کو امرتسر سے روانگی کی تاریخ کا تعین ہوا۔ ۲۵ر ستمبر ۷۷ء درگاہِ میاں میر میں سالانہ نعتیہ مشاعرہ کے انعقاد کی تاریخ تھی جس کا مصرعہ طرح تھا۔

احمدِ مختار ہیں دونوں جہاں کے تاجدار

چونکہ اس مشاعرہ میں مجھے شریک ہونا تھا نیز حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اظہارِ شکر و امتنان بھی کرنا تھا اور پھر بنائے وطن سے رخصت ہونا بھی مدِ نظر تھا اسلئے تاریخِ مقررہ پر حاضرِ مشاعرہ ہوا اور تقریباً ۱۲ بجے شب کے خلافِ معمول صدر صاحب کی اجازت سے مندرجہ ذیل نظم نذرِ مشاعرہ کی۔

نعت شریف

میں بظاہر جاہل مطلق پریشاں روزگار
اور نعتِ پاک اک دریائے ناپیدا کنار

بے سہاروں کے سہارے بیقراروں کے قرار
احمدِ مرسل شفیعِ عاصیاں روزِ شمار

حامد و محمود صنائعِ ازل کے شاہکار — جنکے پہلے جانشیں صدیقِ اکبر یارِ غار

مصدرِ صدق و صفا روحِ روانِ اعتبار — ہمسفر ہمراز ہمدم ہم عنان و ہم کنار

دوسرے فاروقِ اعظمؓ ہیبت پروردگار — جنکے سایہ سے شیاطیں بر سرِ راہِ فرار

عدل کی حضرت نے وہ ہمتیں چھوڑی یادگار — کر دیا فرزند کو دینِ پیمبرؐ پر نثار

تیسرے عثمانِ غنیؓ عالی گہر ذوالاعتبار — وصفِ ذی النورین جن کا باعثِ صد افتخار

مخزنِ حلم و حیا جود و سخا جن کا شعار — بیعتِ رضواں ہے جنکی شان کی آئینہ دار

چوتھے سرکارِ نجفؓ مولیٰ علی گردوں وقار — شاہِ مرداں شیرِ یزداں قوتِ پروردگار

سامنے آئے ہیں اُن کے جب شجاعانِ عرب — اور دیکھا ہے اُنھیں میداں میں وقتِ کارزار

جب نظر ڈالی ہے اُنکے رُوئے انور کی طرف — یوں کہا ہے برملا ہیبت کے قدموں پر نثار

اِن سے کوئی جنگجو دنیا میں لڑ سکتا نہیں — لافتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار

آپ نے اپنے کرم سے یاد فرمایا ہے اب — خدمتِ اقدس میں حاضر ہو رہا ہے خاکسار

اپنے بیمارِ محبت پر ترس آ ہی گیا — آپ سے دیکھا گیا آخر نہ اسکا حالِ زار

اس کی ہر تکلیف تھی سرکار کے پیشِ نظر — اقتضا دی اُلجھنیں بھی آپ پر تھیں آشکار

کس ادائے خاص سے اس پر کرم گستر ہوئے — واہ کیا اندازِ دلجوئی کئے ہیں اختیار

آپکے الطاف تو بے حد و بیاں ہیں مگر! — یہ نوازش بھی رہے گی تا قیامت یادگار

دل کو تڑپاتی تھیں رہ رہ کر مری محرومیاں — تھا مجھے مدت سے اس یادآوری کا انتظار

طعنۂ اغیار سے مجروح ہوتا تھا بہت — میری ساری عمر کی مدحت سرائی کا وقار

کوئی اسکو ڈھونگ کہتا تھا کوئی دہام تزیب — اور کچھ کو تو یہ میرا مشغلہ تھا ناگوار
میری اس دیوانگی کی لاج رکھ لی آپ نے — آپ کے صدقے مرے ہوش و خرد صبر و قرار
آپ پر صدہا سلام اور آپ پر لاکھوں درود — اے مجسم اے سراپا رحمت پروردگار
اے دوائے دردِ دل اے مرہمِ زخمِ جگر! — اے مری آنکھوں کی ٹھنڈک اے مرے دلکا قرار
آپ کی شایانِ شاں توصیف ممکن ہی نہیں — آپ ہیں ممدوحِ رب اور میں ضعیف خاکسار
اے عزیزانِ وطن چشم و چراغِ انجمن! — پرسوں رخصت ہو رہا ہے آپکا حاجی نگار
یاد فرمایا ہے اسکو اس شہِ ذیجاہ نے — جسکی رحمت کی نگاہوں پر ہے ہم سب کا مدار

یاد کر لینا دعا میں اپنے اس خادم کو بھی
شاد اور آباد رکھے آپ کو پروردگار

۲۷ ستمبر ۱۹۳۷ء کو صبح کی گاڑی سے اپنے قافلہ سے ایک دن پہلے میں دہلی روانہ ہو گیا۔ اسٹیشن پر محبانِ رسولؐ کا اک اژدہام تھا۔ شیخ الاسلام صاحب معہ اپنے سب بھائیوں کے وہاں موجود تھے۔ ہر ہر بھائی میری ضروریات کو مجھ سے پوچھتا تھا۔ میرے سفر کے زوجِ رواں وقار الاسلام بھی اپنی والدہ صاحبہ کی علالت کے سلسلہ میں سعودی عرب سے امروہہ آ چکے تھے۔ وہ بھی اسٹیشن پر موجود تھے۔ غرض ان سب حضرات نے بڑے اعزاز و اکرام کیساتھ مجھ کو زیارتِ حرمین شریفین کیلئے امروہہ سے رخصت کیا۔ چند گھنٹوں کے بعد میں دہلی پہونچ گیا شجاع الرحمن میرے فرزند بستی اور ان کے سب بھائی میرے استقبال کے لئے دہلی کے اسٹیشن پر

موجود ملے اور وہاں سے اپنے دولت کدہ پر لے گئے اور دوپہر کا کھانا کھلایا۔ شب کے کھانے کے لئے حکیم حبیب الرحمٰن خاں صاحب نے اپنے یہاں مجبور کیا۔

اب یہ وہ دن تھا جو قاری فرید احمد صاحب نے مجھ سے امروہہ میں مانگ لیا تھا۔ اُن سے ملاقات ہوئی۔ اُس روز قاری صاحب نے اپنے دولت خانہ کو آراستہ و پیراستہ کیا اور اپنے ہر جاننے والے سے شب کو محفلِ نعت خوانی میں شرکت کی درخواست کی۔ رات کے دس بجے جلسہ شروع ہوا جوق در جوق لوگ آنے لگے اور مصافحے ہوتے رہے ہاروں کا اک ڈھیر تخت پر لگ گیا کس عقیدت اور جذبۂ محبت سے یہ لوگ ملے اس کو الفاظ بیان نہیں کر سکتے۔

تین بجے یہ جلسہ ختم ہوا قاری صاحب اور اُن کے جملہ احباب نے جو مہمان نوازی فرمائی اور جس عزت افزائی کا مظاہرہ کیا اس کا اندازہ اُن کے سپاس نامہ مندرجہ ذیل سے ہو گا۔

سپاس نامہ

بعالی خدمت والا منزلت عاشق و مہمانِ رسول ﷺ جناب
ماسٹر عبد الرؤف صاحب زاد مجدہٗ و شرفہٗ

ھدیۂ تہنیت و تبریک

مژدۂ آمدِ محبوب صبا لائی ہے　　چمنستانِ دل و جاں میں بہار آئی ہے

عالی مرتبت!

ہم غلامانِ رسالت انتہائی شاداں ہیں کہ جنابِ والا نے اپنے قدومِ میمنت لزوم سے ہماری مجلس کو نوازا اور اس وقت تشریف ارزانی فرما کر ہماری حوصلہ افزائی فرمائی اور ہمیں فخر ہے کہ ہم جناب کو آج فخر و مسرت کے ساتھ خوش آمدید کہہ رہے ہیں۔

عزت مآب!

آپ کی خوش نصیبی اور اقبال مندی قابلِ رشک ہے کہ شہنشاہِ امم سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بلایا ہے بیشک آپ مہمانِ رسول ہیں، آپ کی عزت و احترام ہم سب پر واجب ہے آپ کی

اس حاضری نے عربی ادب کے شاہکار قصیدۂ بردہ کے معروف شاعر امام بصیریؒ، مولانا جامیؒ حضرت شیخ سعدیؒ جیسے عاشقانِ رسول کی نہ صرف یاد تازہ کردی ہے بلکہ ان تاریخی واقعات پر مُہرِ تصدیق و توثیق بھی ثبت کردی ہے۔ درِ رسولؐ پر حاضری کا شرف دونوں جہان کی سب سے بڑی سعادت ہے اور اس سعادت پر ہم آپ کو نہ صرف مبارکباد دیتے ہیں بلکہ خود آپ کے درمیان چند لمحات گزارنا اپنے لئے بڑی سعادت اور شرف کی بات تصور کرتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ آپ رسولِ معظم نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر ہم دُور اُفتادہ غلاموں کا سلام بھی پیش فرمائیں گے اور اپنی دعواتِ صالحہ میں یاد رکھیں گے۔ درج ذیل اشعار ہمارے قلبی جذبات و احساسات کے ترجمان ہیں جنکو دو مشہور شاعروں نے ہماری درخواست پر لکھا ہے۔

قطعہ تاریخ روانگی حج بیت اللہ شریف

رضی بدایونی

وہ ہے رؤف جسکو کیا ہے نبی نے یاد
ارمان جسکا قربِ نبیؐ کا حصول ہے

سالِ روانگی کی ہوئی فکر جب رضیؔ
ہاتف پکارا لکھ "یہ غلامِ رسول ہے"

۱۳۹۷ھ

Scanned by CamScanner

ہے فرمانِ خیر الانام اللہ اللہ

جناب جوہر جے پوری

حبیبِ خدا کا غلام اللہ اللہ
ہے کیسا یہ عالی مقام اللہ اللہ

مبارک، مبارک وقار آج تم نے
مدینے سے بھیجا پیام اللہ اللہ

کہ عبد الرؤف آؤ فوراً مدینے
ہے فرمانِ خیر الانام اللہ اللہ

مکمل ہوا ہے تمہارے سفر کا
مدینے سے خاص انتظام اللہ اللہ

کسی نے بھی اس دور میں جو نہ پایا
وہ پایا ہے تم نے مقام اللہ اللہ

چلا آ رہا ہے زیارت کو کھنچ کر
تمہاری ہر اک خاص و عام اللہ اللہ

Scanned by CamScanner

بُلاتے ہیں خود تاجدارِ مدینہ
محبت کا یہ احترام اللہ اللہ
یہ جوہر بھی ہے خاکسارِ مدینہ
حبیبِ خدا کا غلام اللہ اللہ

پیشکردہ
حافظ کامل ۔ قاری فرید احمد ۔ حافظ سلیم

صحیفہ دارالسلطنت نئی دہلی کے اڈیٹر نے اپنے یکم اکتوبر ۱۹۷۷ء کے شمارہ میں اس واقعہ کو اس طرح سپردِ قلم کیا۔

دہلی ۲۷ ستمبر ۱۹۷۷ء

ہم نہایت مسرت و عقیدت کے ساتھ یہ خبر سپردِ قلم کرنے کا فخر حاصل کر رہے ہیں کہ گزشتہ دنوں عالیجناب ماسٹر عبدالرؤف صاحب رؤف امروہوی کے متعلق مدینہ منورہ میں مقیم ایک ہندوستانی انجنیر جناب وقارالاسلام صاحب کو بشارت ہوئی کہ میرا ایک عاشق جس کا نام رؤف ہے ہندوستان میں امروہہ ضلع مرادآباد میں رہتا ہے اس کو بلاؤ۔ ہندوستان میں یہ خبر ایک برقی لہر بن کر ہر قلبِ مسلم کو گرما گئی۔ اللہ اللہ اس انسان کی روحانی

عظمت کا کیا کہنا کہ جس کو خود سرکارِ دو عالم رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم یاد فرمائیں اور حاضری کا شرف بخشیں۔

واضح ہو کہ جناب رؤف امروہوی شمالی ہندوستان کے مشہور و معروف نعت گو صاحبِ دیوان شاعر ہیں۔ نعت و مناقب کی محفل رؤف صاحب کے یہاں بعد نمازِ جمعہ تا وقتِ نمازِ عصر پچپن ۵۵ سال سے نہایت پابندی کے ساتھ ہوتی رہی ہے رؤف صاحب کا ہر شعر عقیدت و ارادتِ قلبی کا آئینہ دار ہے اور عشقِ رسول کی تڑپ لئے ہوتا ہے۔

۲۶ ستمبر ۱۹۷۷ء کو موصوف دلی تشریف لائے جہاں بے پناہ خلقت و ہجوم نے نہ صرف ان کا خیر مقدم کیا بلکہ ان کے درمیان چند لمحے گزارنا اپنے لئے باعثِ تسکینِ روحانی اور مسرت و شادمانی کا موجب تصور کیا۔

ہندوستان کے مشہور و ممتاز قاری اور مداحِ رسول جناب قاری فرید احمد صاحب دہلوی کی درخواست پر اس عاشقِ رسول نے قاری صاحب کے مکان واقع محلہ سوئی والان دہلی میں قدم رنجہ فرمایا عقیدت اور محبت میں ڈوبے ہوئے بیشمار فدائیانِ توحید و شیدائیانِ اسلام کو اس طرح شرف و نیاز کی سعادت کا فخر حاصل ہوا۔ تقریباً رات کے تین بجے تک نعت و مناقب کی اک حسین و جمیل نورانی و روحانی محفل کا

سلسلہ جاری رہا۔ قاری فرید احمد صاحب نے محترم رؤف صاحب کی خدمت میں منظوم اعزازیہ پیش کیا۔ رضی بدایونی چیف اڈمیسٹر دارالسلطنت نئی دہلی نے ایک قطعہ تاریخ پیش کیا جس کا تاریخی مادہ "یہ غلامِ رسول ہے" تھا اور جناب جوہر جے پوری نے ایک نظم پڑھی

دوسرے روز دوپہر کو محترم رؤف صاحب کے عزیز خاص جناب مرزا شجاع الرحمٰن صاحب نے جو ایک مدت سے سلسلۂ روزگار دہلی میں مقیم ہیں ایک عظیم پُرتکلف دعوت کا اہتمام کیا اور رات کو جناب رؤف صاحب کو ہزاروں شیدائیوں نے نئی دہلی ریلوے اسٹیشن سے بمبئی کے لئے سوار کرایا۔

سفرِ حج کا آغاز

الغرض ۲۹ ستمبر ۱۹۷۷ء کو میں بمبئی پہونچا اور صابو صدیق کے مسافر خانہ میں فروکش ہوا، امروہہ کے بہت سے حضرات مقیم بمبئی جو مجھ سے واقف تھے مسافر خانہ میں ملنے آئے اور مبارکبادیں پیش کیں ضیافتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ محشر صاحب امروہوی سے بھی وہاں ملاقات ہوئی جو بڑی پُر لطف تھی، قمر صاحب رضوی اقبال صاحب رضوی اور حشمت علی صاحب نے جو مہمان نوازی فرمائی وہ بھی یادگار رہے گی۔ ان کا خلوص حدِ بیان سے باہر ہے المختصر ۳ر اکتوبر ۱۹۷۷ء جہاز کی روانگی کی تاریخ آگئی اور میں نے ہندوستان کو خیرباد کہہ دیا۔ جہاز میں ایک ریٹائرڈ پرنسپل عبدالغفار شاہ اور اُن کی دُختر نیک اختر ڈاکٹر مقبول فاطمہ سے ہر وقت رابطہ رہا۔ مقبول فاطمہ نے مجھے بہت طبی امداد پہنچائی۔ اللہ اس کے بچوں کو اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنائے عبدالغفار شاہ صاحب سے لخلخۂ محامد اور گلرنگِ تخیل کے توسط سے تعلقات میں مزید گہرائی پیدا ہوگئی تھی۔ یہ حضرت سرینگر کے رہنے والے تھے۔ ایک ہفتہ کے سفر کے بعد جہاز جدہ کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا

وہاں ایک رات قیام رہا وہاں سے مکہ معظمہ کو روانگی ہوئی
اور ہمارا قافلہ احمد مکی اپنے معلم کے دولت خانہ پر پہنچا اُنھوں نے
سارے قافلہ کا سامان اپنے گھر پر رکھوا دیا اور قافلہ کو ساتھ لے کر
حرمِ کعبہ کو پیدل روانہ ہو گئے۔ راستہ میں ذوق و شوق کے ساتھ
صلوٰۃ و سلام اور دیگر مقدس کلمات پڑھتے جاتے تھے۔ حرمِ کعبہ
معلّم صاحب کے مکان سے تقریباً تین فرلانگ تھا اتنی دور پیدل
چلنا بوجہ اپنی ضعیفی کے مجھے بہت ہمت شکن ثابت ہو رہا تھا مگر حرمِ
محترم کو دیکھ کر جو تفریح ہوئی اس کو زبان بیان میں نہیں لا سکتی
حرمِ محترم اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے
اور اللہ اکبر اللہ اکبر کی مکمل تفسیر۔ قیامِ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ
میں زیادہ تر علیل اور حوادث کا شکار رہا۔

عازمینِ حج کے لئے میرا یہ مشورہ ہے کہ بوڑھاپے میں ارادۂ سفرِ
حج نہ فرمادیں۔ ساٹھ سال کی عمر تک پہنچنے سے پہلے ہی اس فرض سے
سبکدوش ہوں۔

باقی واقعات نظم مندرجہ ذیل میں ملاحظہ ہوں جو امروہہ
واپس آنے پر میں نے اپنے خالہ زاد بہنوں کو خوانی میں جمعہ کے روز
پڑھی ؎

اے شہنشاہِ زمن اے رحمتِ پروردگار
آپؐ نے دکھلا دیا آخر مجھے اپنا دیار

شکر ہو سکتا نہیں مجھ سے ادا سرکار کا
وہ نوازشہائے بے پایاں نہیں جن کا شمار

جو مناظر دیکھنے کو دل تڑپتا تھا بہت
وہ مناظر سامنے آنکھوں کے آئے بار بار

خانۂ کعبہ پہ جب پہلی نظر جا کر پڑی
دل نکلنے کو ہوا پہلو سے میرے بیقرار

ہو گیا پھر خود بخود فوراً ہی مصروفِ طواف
گردِ شمعِ کعبہ میں پھرنے لگا پروانہ وار

چاہِ زمزم پر جب آ کر آبِ زمزم پی چکا
طاقتِ رفتار نے پھر کی بغاوت اختیار

اب صفا مروہ پہ جا کر سعی کی اس طور سے
ہو گیا میں اک کرایہ کی سواری پر سوار

جب بحمد اللہ ہم عمرے سے فارغ ہو چکے
اپنے گھر لائے معلم حاجیوں کو مستعار

پھر ہمارے قافلے کو اک مکاں دلوا دیا
ہم جہاں رہنے لگے آرام سے لیل و نہار
اب بفضلِ ایزدی اس طرح دن کٹنے لگے
خانۂ کعبہ میں دل رہتا مکاں پر جسم زار
پھر مدینہ دیکھنے کا شوق تڑپانے لگا
اور اک دن ہو گیا عزمِ مدینہ استوار
تب ہمارا قافلہ سوئے مدینہ چل دیا
باغِ جنت کی فضائیں جس کی گلیوں پر نثار
جلوہ فرما جس جگہ ہیں مالکِ دُنیا و دیں
بارشِ انوار ہوتی ہے جہاں لیل و نہار
اللہ اللہ اُس دیارِ پاک کی رعنائیاں
جس کے آگے جنت الفردوس بھی ہے شرمسار
زندگانی کا اُسے حاصل نہ سمجھوں کس طرح
تھا یہ وہ دن جس کا ساری عمر سے تھا انتظار
رکھ کے اک کمرے میں سامانِ ضروری چل دیا
جستجو میں گنبدِ خضرا کی میں دیوانہ وار

صبح کو جب میں نمازِ با جماعت پڑھ چکا
پوچھا لوگوں سے کہاں ہے گنبدِ گردوں وقار

بولے وہ موجود تیرے سامنے ہیں جالیاں
ہیں وہاں آرام فرما دو جہاں کے تاجدار

جالیوں کی سمت میں لپکا مگر اس بھیڑ میں
کب پہونچنے دے رہا تھا مجھ کو میرا حالِ زار

ہو کے میں مجبور بیٹھا جالیوں کے سامنے
اور نگاہیں لے رہی تھیں اُن کے بوسے بار بار

جب توانائی نے میری دیدیا مجھ کو جواب
لوٹ آیا ہو کے دل میں اپنے بیحد شرمسار

دوسرے دن میں نے کی جا کر مواجہ کی تلاش
جس جگہ سے سامنے ہوتا ہے آقا کا مزار

اب تو تھا میں رُو برو سرکارِ والا جاہ کے
موجزن بحرِ محبت دل میں آنکھیں اشکبار

کہہ رہا تھا یا نبی اللہ اُنظر حالنا
یا رسول اللہ الیک چشمِ کرم بر حالِ زار

السّلام اے جانِ عالم بادشاہ بحر و بر
السّلام اے ہادیٔ دیں انبیاء کے افتخار
پھر ذرا دائیں طرف ہٹ کر وہیں میں نے کہا
السّلام اے افضلِ اُمّت نبیؐ کے یار غار
اور کچھ بائیں طرف ہٹ کر کیا میں نے خطاب
السّلام اے حضرتِ فاروقؓ اُمّت کے وقار
عرضیاں پھر مشیرِ اصحاب کی میں نے پڑھیں
جن میں لاتعداد ارماں آرزوئیں بے شمار
مجھ سے جیسے ہو سکا اُن کی نیابت میں نے کی
اور کہا ہیں سب یہ لطفِ خاص کے اُمیدوار
آپ ہیں اللہ کے محبوب اُمّت کے شفیع
ہم غریبوں کے سہارے بیکسوں کے غمگسار
ہائے وہ کچھ روز دربارِ نبیؐ کی حاضری
ہائے وہ پُر درد اندازِ بیانِ حالِ زار
پھر مدینے سے ہوا رُخصت بایں حالِ تباہ
چشمِ گریاں، سینہ بریاں آہ بر لب دِل فگار
تھے بس اب مکّہ میں "حج کے پانچ دن" پیشِ نظر
اور یہی اک فکر رہتا تھا دماغوں پر سوار
ہو گئے حج کے فرائض خیر و خوبی سے ادا
اب قبولیت کا ہے مرضیٔ حق پر انحصار

آخری ارکان اتنے قیمتی ثابت ہوئے
جو رقم تھی ہو گئی ساری ضعیفی کا شکار
بعد اس کے واپسی کی فکر دامنگیر تھی
گرچہ دل کو اس فضا کا چھوڑنا تھا ناگوار
واپسی آخر مقدر میں لکھی تھی ہو گئی
اور جدہ میں ہمیں کرنا پڑا کچھ انتظار
چار شنبہ آگیا ذی الحجہ کی تھی اُنیسویں
ہو گئے اُس دن جہازِ واپسی پر ہم سوار
اب کیا ہم نے عرب کی سرزمیں کو خیرباد
جس کی خاطر چھوڑ کر آئے تھے ہم اپنا دیار
کر نہیں سکتا بیاں بابو میاں کی شفقتیں
میری خاطر آپ کا تشریف لانا بار بار
اک حسین احمد تھے اور دہلی کی اک خاتون تھیں
قافلے کے تھے یہ دونوں ہی بڑے خدمت گزار
بمبئی میں آکے مہمانِ خلیق احمد ہوئے
پیکرِ خلق و محبت نیک طینت ہونہار
روز افزوں ہو ترقی اُن کے کاروبار میں
کامرانی شادمانی سے رہیں یہ ہم کنار

جلسۂ اقدس کی زینت حاضرین محترم
دیکھنے کو آپ کے پہلو میں دل تھا بیقرار
میری غیبت میں بھی تکلیف آپ فرماتے رہے
اس نوازش کا صلہ بھی آپ کو دے کردگار
حج و عمرے کی سعادت آپکو بھی ہو نصیب
آپ بھی دیکھیں کبھی جا کر مدینے کی بہار
حجِ بیت اللہ کر کے آگیا واپس رؤفؔ
آپ کا خادم نبیؐ اللہ کا مدحت نگار

جس روز وارد امروہہ ہوا جمعرات کا دن تھا دوسرے روز جمعہ تھا محفل نعت خوانی حسب معمول منعقد ہوئی۔ اکثر نعت خوانوں نے میری واپسی کی تقریب میں استقبالیہ نظمیں پڑھیں میں نے بھی مندرجہ ذیل نظم نذرِ سامعین کی محفل میں غیر معمولی جوش و خروش تھا۔ برخوردار سیفی سلمہٗ نے اپنے فرزند ارجمند مرزا زبیر احمد سلمہٗ سے اپنی یہ نظم پڑھوائی جس میں عقیدت کا دریا موجزن ہے۔

عاشقِ زارِ نبیؐ لوٹے دیارِ پاک سے
جائے کیا کیا لے کے آئے ہیں شہِ لولاکؐ سے

Scanned by CamScanner

کس طرح اُن کو بُلایا، کس طرح رُخصت کیا
یہ تعلق ماورائے فہم سے ادراک سے

سرورِ عالم کے قدموں کی جہاں ہیں برکتیں
مَس ہوئی ہے ان کی پیشانی وہاں کی خاک سے

اِن کو وہ نعمت میسّر آئی جو ممکن نہ تھی
مرتبہ اُن کا فزوں ہے رُتبۂ افلاک سے

ہاں انھیں اشکِ مسرّت ہی کہو سنیے کہ یہ
ہیں خوشی کے وقت جاری دیدۂ نمناک سے

زبیر احمد سلمہٗ کے بعد نورِ چشم ساجد حسین ساجد نے اپنی نذرِ عقیدت ان الفاظ میں پیش کی۔

جو آپ لائے ہیں اُس رحمتوں کے دریا سے
ہمیں بھی کچھ ہو عنایت کہ ہم بھی ہیں پیاسے

خوشا نصیب حبیبِ حبیبِ حق ٹھیرے
شرف یہ آپ نے پایا ہے اپنے مولا سے

وہ آپ ہیں جو سرافراز لطفِ خاص ہوئے
وہ آپ ہیں کہ بُلائے گئے جو طیبہ سے

بفیضِ حق وہ تمنا بھی ہو گئی پوری
حسین ہے جو تمنا ہر اک تمنّا سے

ہے پاسِ شرعِ مگر دل کی زیر یہ حالت ہے
ملا دیں ہم یہ جبیں آپ کے کفِ پا سے

ہمیں تو آپ ملے یہ تو آپ ہی جانیں
مِلا ہے آپ کو کیا کیا دیارِ طیبہ سے

ہمیں یہ جشنِ مسرّت ہو بار بار نصیب
ہے التجا یہی ساجد کی حق تعالیٰ سے

Scanned by CamScanner

ایک ہفتہ کے بعد عشرۂ محرم کی مجلس منعقد ہونے والی تھی اس کے اہتمام میں مصروف ہو گیا اس کی اہمیت بھی میری نظر میں کچھ کم نہیں ہے یہ بھی بچپن سال سے برابر ہوتی رہی ہے۔ ابراہیم خاں مرحوم اپنے زمانہ کے مشہور میلاد خواں نے یہ مجلس چالیس سال متواتر پڑھی اُن کے بعد اُن کے جانشینوں نے یہ فریضہ انجام دیا مگر یکے بعد دیگرے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اس سال مجبور ہو کر چند کتابوں کی مدد سے میں نے خود شہادتِ امام حسینؓ کا بیان ترتیب دیا اور سب سے چھوٹے خادم زادے آصف حسین عرف اچھے میاں سلمہٗ سے پڑھوایا۔ مجلس اُمید سے کہیں زیادہ کامیاب رہی۔ بیان کے درمیان تعلیمی موقعہ کے مناسب ٹنٹ کر دی گئی تھیں جو تخت پر بیٹھے ہوئے دوسرے نعت خواں پڑھتے جاتے تھے۔

۱۲ ربیع الاوّل کو محفل میلاد النبی منعقد ہوئی اس کا بیان بھی اسی طرح ترتیب دیا گیا تھا۔ یہ مجلس تیسرے خادم زادے ساجد حسین سلمہٗ نے پڑھی۔ بڑا پُر کیف جلسہ رہا۔ سامعین نے اُن کی بڑی ہمت افزائی فرمائی۔ یہ دونوں مجلسیں بھی سالانہ اسی التزام و احترام کے ساتھ منعقد ہوتی ہیں جس سے جمعہ کی نعت خوانی کا جلسہ ہوتا ہے۔ یہ ایک سال میں چھ سن مجلسیں مجھے غذائے رُوح فراہم کرتی ہیں اور تسکینِ قلب کا

باعث ہوتی ہیں۔

دوسرے خادم زادے حامد حسین حامد کے اصرار پر مئی ۱۹۷۸ء کے پہلے ہفتہ میں علی گڑھ کا دورہ کیا۔ وہاں بہت سے حضرات مشتاق ملاقات تھے اُن سے شرفِ نیاز حاصل کیا اُن میں جناب مولوی احمد اللہ صاحب مدظلہ تعالیٰ امام جمعہ و جماعت علی گڑھ یادگار مولوی لطف اللہ صاحب مرحوم و مغفور شیخ الحدیث و تفسیر سے ملاقات قابلِ ذکر ہے۔

سنہ ۱۹۱۵ء میں ایم، اے، او کالج میں یہ جناب میرے ہم جماعت اور ہم سبق تھے اُس وقت بھی امامِ جمعہ و جماعت تھے۔ اور آج بھی فریضہ امامت اسی طرح انجام دے رہے ہیں۔

میرے حالات سُن کر جہاں میں فرد کش تھا وہیں بہ نفسِ نفیس قدم رنجہ فرمایا، بغلگیر ہوئے بہت ہی اظہار مسرت کیا۔ خوش قسمتی سے میرے ہم مسلک ہم مذہب اور ہم عقیدہ بھی تھے، اُن کی خوشی کی کوئی حد نہ تھی، میں بھی اُن کی باتوں سے بے حد مسرور ہوا، میں نے اُنھیں کچھ اشعار سُنائے جو مدینہ منورہ سے طلبی کے محرک تھے۔ سُن کر بہت محظوظ ہوئے اور میرے اصرار پر اپنی مندرجہ ذیل نظم سُنائی جو ہدیۂ ناظرین ہے۔

میں نے کی عرض مولیٰ مجھے بھیک دے
میں بھکاری ہوں داتا مجھے بھیک دے
میری جانِ تمنا مجھے بھیک دے
تجھ سے طالب ہوں تیرا مجھے بھیک دے
اپنی رحمت کا صدقہ مجھے بھیک دے

اے غریبوں کے حامی مجھے بھیک دے
اے یتیموں کے والی مجھے بھیک دے
باغِ وحدت کے مالی مجھے بھیک دے
میری جھولی ہے خالی مجھے بھیک دے
اپنے پیارے کا صدقہ مجھے بھیک دے

آئی آواز سن اے بھکاری مرے
ہوش میں آ ذرا اے پجاری مرے
کام یوں تو ہیں سب اختیاری مرے
پر جو ہیں جانِ حاجت براری مرے
بھیک لینا ہے گر اُن سے جا بھیک لے

سُنتے ہی دل کو میرے یہ سودا ہوا
چل کے دیکھیں کہ ہے کون وہ مہ لقا

جذبِ دل سوئے طیبہ مجھے لے گیا
چوم کر آستانے کو میں نے کہا
تاجدارِ مدینہ مجھے بھیک دے

اے خدا کے دُلارے مجھے بھیک دے
عرشِ اعظم کے تارے مجھے بھیک دے
بیکسوں کے سہارے مجھے بھیک دے
آ پڑا تیرے دوارے مجھے بھیک دے
اپنی اُمت کا صدقہ مجھے بھیک دے

بُولے حُسنِ طلب ہے تو آ بھیک لے
بھیک لینے کی صورت بنا بھیک لے
دُور کر دل سے حرص و ہوا بھیک لے
اپنی جھولی کو آگے بڑھا بھیک لے
پھر جو مانگے تو اس سے سوا بھیک لے

یہ کہا اور گنجِ فراواں دیا
بے نوا کو خدائی کا ساماں دیا
معرفت کی عطا نورِ عرفاں دیا
لاکھ دینے کا دینا ہے قرآں دیا
اور کہا اب نہ کہنا مجھے بھیک دے

Scanned by CamScanner

مجھ کو سودائے زلفِ پریشاں دیا
اضطرابِ جگر سوزِ پنہاں دیا
دل لگی کا غرض حوصلہ ساماں دیا
دردِ دل سے سوا دل کا درماں دیا

اس سے بڑھ کر کوئی اور کیا بھیک دے

بے نیازی ہوئی خود نیاز آشنا
ناز کرنے لگا بندۂ بے نوا
یہ نہ پوچھو کہ احمد کو کیا کیا ملا
بھر گئی ساری جھولی تو عقدہ کھلا

خود کہا بھیک دے خود کہا بھیک لے

غرض اُن کی معیت میں یہ ایک گھنٹہ کا وقت بہت ہی فرحت بخش نشاط انگیز اور ایمان پرور ثابت ہوا۔

۲۶ر جون ۱۹۷۸ء کو ایک عزیز قریب ہزاری باغ سے تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ میں نے ایک شعر آپ کی نذر کیا تھا آپ تک وہ پہونچا یا نہیں۔ میں نے عرض کیا ابھی تک تو پہنچا نہیں وہ شعر کیا تھا؟ بولے

قمرؔ اک عمر کی بگڑی ہوئی ہر بات بن جاتی
مقدر مجھ کو مل جاتا رؤف امروہوی جیسا

۱۴ ستمبر ۱۹۷۸ء مطابق ۱۰ شوال ۱۳۹۸ھ کو درگاہ میاں موج میں سالانہ نعتیہ مشاعرہ حسب معمول منعقد ہوا۔ جس میں مصرعہ طرح تھا۔

"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

نعت مندرجہ ذیل نذرِ مشاعرہ کی۔ ملاحظہ ہو۔

کیسا اہم مقام ہے یارانِ دیدہ ور
ممدوحِ رب کی مدح ہے اور ایک بے ہنر

ہے عکس ان کے نور کا یہ شمس یہ قمر
صدقہ ہے سب حضورؐ کا کیا شام کیا سحر

ہر درد کا علاج وہ عالم کا چارہ گر
دیکھا ہے ان صفات کا ایسا کوئی بشر

کیا تجربے میں آئی ہے ایسی کوئی مثال
اک بوریا نشین، شہنشاہِ بحر و بر

چاروں طرف تلاش میں کرتا پھرا مگر
ثانی کوئی حضورؐ کا آیا نہیں نظر

آتی تھی بو پسینے میں ان کے گلاب کی
سایہ کسی نے آپ کا دیکھا نہ عمر بھر

ان کا عروج کر نہیں سکتا کوئی بیاں
دیں ساتھ جبرئیلؑ تو جل جائیں ان کے پر

حیراں ہے عقل اُن کے کمالات دیکھ کر
پٹکا ہو پار دیکھی ہے ایسی کوئی کمر

بوجہل نابکار کی حیرانیاں نہ پوچھ
مٹھی میں اُس کی کلمہ پڑھے آپ کا حجر

اک شب کو اہلِ کفر نے دیکھا یہ حال بھی
اُنگلی کے اک اشارے سے شق ہو گیا قمر

وہ جانِ انبیاء ہمہ تن شانِ کبریا
حق کی صفات رکھتے تھے کہنے کو تھے بشر

یارانِ باصفا کے بھی اوصاف دیکھئے
خوش حال خوش خصال خوش اطوار خوش سیر

صدیقؓ جن میں بعدِ نبیؐ افضل البشر
پھر اُن کے بعد ہیبتِ حق حضرتِ عمرؓ

عثمانؓ بعد آپ کے گنجینۂ حیا
مولیٰ علی پہ ختم شجاعت کے سب ہنر

اُمت میں اختلاف کا نام و نشاں نہ تھا
اصحاب سارے شیر و شکر تھے بہم دگر

مولیٰ علیؓ جنابِ عمرؓ کے تعلقات
وہ ان کے نام پر یہ فدا اُن کے نام پہ

ہم پر بھی اک نگاہِ کرم کیجئے حضورؐ
اب لیجئے اس اُمتِ عاصی کی بھی خبر

ہم اپنے حالِ زار سے غافل ہیں اس قدر
آنکھیں ضرور ہیں مگر آتا نہیں نظر

ہر شخص جانتا ہے کہ درپیش ہے سفر
اور مرگِ ناگہاں سے کسی کو نہیں مفر

لیکن کسی کے کان پہ جُوں رینگتی نہیں
یہ کونسا مقام ہے اے میرے راہبر

تم میرے پاس تھے مجھے اس کی نہ تھی خبر
میں پھر رہا تھا ڈھونڈتا تم کو اِدھر اُدھر

اغیار کے دلوں کی تمنا تو تھی یہی
میری شبِ فراق کی ہر گز نہ ہو سحر

لیکن عطا کے آپ کی قربان جایئے
سُن لی مری پکار یہیں سید البشرؐ

اتنے دنوں کے بعد ہوا اب یہ انکشاف
رکھتے ہیں آپ اپنے غلاموں پہ یوں نظر

اور یوں نوازشات کی کرتے ہیں بارشیں
رہ جائیں دنگ اہلِ نظر جن کو دیکھ کر

لاکھوں درود آپ پر اے فخرِ کائنات
لاکھوں درود آپ کے اصحاب و آل پر

دنیا میں ان کے چاہنے والے ہیں جس قدر
مژدہ ہو اُن کو رہتے ہیں وہ سب سے باخبر

ہر وقت اُن کی یاد ہو ہر لحظہ اُن کی یاد
اُن کے ہی ذکرِ خیر میں سب عمر ہو بسر

تصویر ایسی لاکے دِکھا جس میں اے رؤف
تیرا سر نیاز ہو اور اُن کا سنگِ در

قطعہ

اک دن ہوا میں اُن سے تصور میں ہم کلام
گویا حضورؐ تختِ شہی پر ہیں جلوہ گر

میں نے کہا ہے آپ کے طالب کی کیا شناخت
بولے نہ فکرِ جاہ نہ سودائے سیم و زر

میں نے کہا کہ دوزخ و جنت میں کیا ہے فرق
بولے وہ آگ کا ہے یہ ہے نعمتوں کا گھر

Scanned by CamScanner

میں نے کہا کہ عالم و جاہل میں امتیاز
بولے وہ شمع راہ دیہ بیکار و بے ثمر

میں نے کہا کہ عالم دیں کا ہے فرض کیا؟
بولے کہ احترام شریعت بہ کرّ و فر

میں نے کہا کہ کیا ہے طریقت کی رسم و راہ
بولے کہ راستہ ہے طریقت کا پُر خطر

یہ راہ خاص خاص ہی لوگوں کا ہے طریق
اس پر عوام کر نہیں سکتے کبھی سفر!

میں نے کہا کہ مفتیٔ دوراں کی کچھ صفت
بولے حدودِ شرعِ پیمبر سے باخبر

میں نے کہا کہ آپ کے عاشق کا مشغلہ
بولے کہ آہ و نالۂ شب گریۂ سحر

میں نے کہا ہے اور بھی اس کا کوئی نشاں
بولے نہ دیں کا ہوش نہ دُنیا کی کچھ خبر

میں نے کہا کہ جورِ فلک کا کوئی علاج
بولے کہ اپنے نامۂ اعمال پر نظر

حضرت قطب علیہ الرحمہ نے اپنی کسی مصلحت کے تحت اپنے آبائی مکان کو
اپنے اہل و عیال پر چھوڑ کر غریب خانہ کے بالکل متصل ایک مکان کرایہ پر لیا
جس میں تنہا رہنے لگے۔ لیکن اُن کے طرزِ عمل سے مجھے یہ محسوس ہوا کہ اس
نقلِ مکاں میں میری کچھ باطنی تعلیم و تربیت کا راز بھی مضمر تھا۔ مثال ملاحظہ ہو۔
ایک روز میں نے بصد منت و سماجت عرض کیا کہ آپ کوئی خدمت میرے سپرد کریں تاکہ
میں بطیبِ خاطر اس کو انجام دوں۔ پہلے تو انکار کر دیا مگر میرے بیحد اصرار سے مجبور ہو کر
فرمانے لگے، اچھا دیکھو اس گھر و نچی پر ایک پیالہ رکھا ہوا ملیگا اور اس کے پاس دو پیسے
بھی۔ جب تم رات کو کھڑکی پر سے پڑھا کر آیا کرتے ہو تو اس وقت ہم تو اپنے ذکر میں
مصروف ہوں گے مگر تم نے پیالہ اور پیسے اُٹھائے اور دودھ لا کر رکھدیا۔ مگر دیکھنا اس
عرصہ میں ہم سے بولنا نہیں اور یہ بھی یاد رکھنا کہ دودھ کی دو دکانیں ہیں، اس پر سے
لینا اور اُس پر سے نہیں۔ کواڑوں میں بلائی ایسی لگائی تھی کہ صرف میں ہی اس کو
کھول سکوں اور کوئی دوسرا نہیں۔ میں نے یہ خدمت شروع کر دی۔ بہت مدت کے بعد
ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ وہ دوکان جس سے میں دودھ لیا کرتا تھا بند تھی اور
دوسری ممنوعہ دوکان کھلی ہوئی تھی۔ یہ دیکھ کر میرے دل نے کہا کہ آج تو اس ممنوعہ دوکان سے
ہی دودھ لینا پڑیگا۔ میں نے حسب معمول پیالہ اور پیسے اُٹھائے اور چل پڑا ابھی دروازے
ہی میں تھا کہ اتنے دنوں میں صرف اُس روز اپنے ذکر کے درمیان باآوازِ بلند فرمایا کہ دیکھو جس
دوکان سے ہم نے منع کیا ہے اُس پر سے دودھ مت لینا۔ اِس انتباہ سے میں چونک پڑا
دروازہ تو بند کر دیا مگر سڑک پر کھڑے ہو کر سوچنے لگا کہ کیا کروں۔ یکایک خود بخود جنوب کی جانب رُخ

ہوگیا اور بہت دور جاکر بہزار احتیاط ایک دوکان سے دودھ لاکر رکھ دیا۔ اسطرح دل کی خطرات کی گرفت ہوتی تھی۔ ایک روز مراد آباد میں ایک صاحب باطن بزرگ حضرت عبداللہ شاہ صاحب جو گنبد والی زیارت پر رہتے تھے مجھ سے فرمانے لگے کہ تمہارے حالات کا تقاضہ یہ ہے کہ تم اپنے پیر و مرشد کے مزار پر جاکر فاتحہ پڑھو۔ میں وہاں سے آکر اُن کے قبرستان میں گیا، مزار تلاش کیا مگر کوئی نشان اُن کی قبر کا نظر نہ آیا ناکام ہوکر لوٹ آیا، دوسرے روز ان کے صاحبزادے کو رکشا میں بٹھاکر قبرستان لے گیا انہوں نے بھی بہت تلاش کیا مگر قبر کا کوئی نشان نہ ملا۔ آخر جہاں اندازہ نے یقین دلایا وہیں کچھ اینٹیں رکھ کر فاتحہ پڑھ لی۔ جب اس کے بعد شاہ صاحب موصوف سے ملاقات ہوئی اور میں نے یہ حالات بتائے تو فرمایا تم نے ٹھیک کیا ایسا ہی کرنا چاہیے تھا۔ قبر کا نشان نہ ملنے پر بیساختہ عنقا بدایونی کا یہ شعر میری زبان پر آگیا ؎

جو سالکانِ طریقِ فنا ہیں اے عنقا
وہ چھوڑ جاتے ہیں نام بھی نشاں کی طرح

آخر میں عالیجناب حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدی کا جو اس تالیف کے محرک ہوئے اور پھر بابو ظہیر احمد صاحب کا جنہوں نے پُرزور تائید فرمائی اور میاں شمس احمد فاروقی کا جنہوں نے اسمیں سُرخیاں قائم کیں اور پھر حضرت شہبانہ کا جنہوں نے اس کتاب کو بغور سُنا اور نام تجویز کیا تہ دل سے سپاس گزار ہوں اور دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزائے خیر سے نوازے۔

ناچیز عبدالرؤف، رؤف امروہوی